

ماہنامہ محدث لاہور

شمار نمبر:34 ـــ جلد نمبر 4 ـــ شمارہ نمبر 3،4 ـــ مارچ، اپریل 1974ء ـــ ربیع الاول والثانی 1394ھ

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی　　　مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے۔جس کا نام محدث تھا کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ 1970ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہو رہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: 20روپے　　زرِ سالانہ: 200روپے　　بیرون ملک: 20ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ 200روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔

ایڈریس: ماہنامہ محدث، 99جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور54700۔ فون نمبر: 35866476 / 3586639 - 042

موبائل: 4600861 - 0305

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com ____www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

ماہنامہ محدث لاہور

اجرائے مُحدث کے مقاصد

عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فہرست

اسرار احمد سہاروی

ہستیٔ بے مثال ﷺ

حسن یوسف، دم عیسیٰ ید بیضا داری!

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

یہ شعر وصفِ نبی ﷺ کے بارے میں انتہائی بلیغ سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی مدحتِ رسول کا قرار واقعی حق ادا نہیں کرتا۔ کیونکہ رسالت مآب کی بہت سی خصوصیات ایسی ہیں جو کسی دوسرے نبی میں نہیں پائی جاتیں اسے آپ آنحضرت ﷺ کی بے مثالیت کہہ لیں یا کچھ اور نام دے دیں۔ بہرحال یہ ہیں آپ کی ذات کے ساتھ ہی مخصوص۔ کہیں اور آپ کو یہ کیفیت نظر نہیں آتی۔ گویا فضیلت نبوت کی آپ معراج کمال ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے ''تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ'' یعنی رسولوں میں بھی ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اس اعلان کا منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ایک نبی ایسا بھی ہونا چاہیے کہ جس پر کسی کو فضیلت حاصل نہ ہو اور ایسے نبی محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ ہمارے اس دعوے کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ آپ خاتم الانبیاء بھی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آیا اور نہ قیامت تک آئے گا گویا آپ کی ذات میں تکمیل نبوت ہو گئی۔ ہر کمال کے بعد زوال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مصلحت نے نبوت کو زوال سے بچانے کے لئے اسے ابد الاباد تک کے لئے معدوم قرار دے دیا تاکہ زوال کے عیب سے بے نیاز ہو جائے۔ چنانچہ اس کمالِ دین اور منتہائے نبوت کے بارے میں ارشاد فرمایا ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا'' یعنی آج کے دن دینِ انسانیت مکمل کر دیا گیا اور یہ نعمتِ عظمیٰ اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ ظاہر ہو گئی اور انسان کے لئے اسلام دین کے طور پر اللہ تعالیٰ نے پسند فرما لیا۔ کیا ہم نبوت کی تاریخ میں کوئی ایسا نہیں پاتے ہیں جس کو ساری انسانیت کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہو اور جس پر نبوت کا خاتمہ کیا گیا ہو۔ اور جس کو خود اللہ تعالیٰ نے یہ سند دی ہو کہ آج دین کی نعمت کی تکمیل کر دی اور اب اس میں ابد تک کوئی اضافہ نہ کیا جائے گا۔ حضرت یعقوب یہود کے لئے مبعوث ہوئے۔ حضرت موسیٰ بھی یہود کے نبی مقرر ہوئے۔ حضرت عیسیٰ کی ملت بھی مخصوص رہی۔ ایک خاص علاقے کے لئے تھے اور ایک مخصوص دور کے لئے۔ ان حضرات کی نبوت زمان و مکان کی حدود میں مقید تھی لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت قیدِ زمان و مکان سے ماورا ہے۔ اب وہ ہر ملک، ہر ملت اور ہر دور کے لئے راہنما ہے، یہ نبی کریم ﷺ کی عدیم المثالی ہے۔

اب دوسری مثال معجزے کی لے لیں۔ دوسرے تمام انبیاء کو جو معجزات دیئے گئے وہ وقتی تھے اور غالباً اس کی مصلحت یہ تھی کہ ان کا مشن بھی وقتی تھا اور خاص حلقے کے لئے تھا ہر دور اور ہر ملّت کے لئے نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کو ید بیضا کا معجزہ عطا ہوا یا ان کا عصا سانپ بن گیا یا دریائے نیل ان کے لئے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ یہ سب وقتی چیزیں تھیں جن کا اثر وقوعے کے بعد ختم ہو گیا۔ یہی حال حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کا تھا کہ اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کر دینا حضرت عیسیٰؑ کی زندگی تک تھا اور خاص حلقے تک محدود تھا ان کے بعد ان چیزوں کا اثر ختم ہو گیا۔ یہاں یہ بات یاد

رکھنے کی ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو کتابیں بھی دی گئیں لیکن یہ کتابیں معجزہ بنا کر پیش نہیں کی گئیں۔ نہ تو خود ان کتابوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ہماری حیثیت ایک معجزے کی ہے اور نہ ان انبیاء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہماری یہ کتابیں معجزے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ کو جو معجزہ عطا ہوا وہ قرآنِ کریم ہے ایک تو یہ کہ قرآن ابدی کتاب ہے خود خدا نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے فرمایا إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ یعنی ہم نے ہی یہ "ذکر" نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔" اس کے علاوہ بھی کئی دوسری آیات میں یہ ذمہ لیا گیا ہے اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ آج تک قرآن میں ایک لفظ کی بھی تبدیلی ممکن نہیں ہو سکی ہے اور دوست و دشمن سب اس قرآنی خصوصیت کو تسلیم کرتے ہیں اور یہی اس بات کا بھی واضح ثبوت ہے کہ یہ کتاب آخری کتاب اور اس کی شریعت آخری شریعت اور اس کا حامل نبی آخری نبی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خود قرآن نے یہ دعوے کیا ہے کہ میں ایک معجزے کی حیثیت سے نازل ہوا ہوں اگر کسی میں ہمت ہے تو میری مثال پیدا کر کے دکھائے فرمایا: فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِنْ مِّثْلِهِ وَادْعُوْا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی اگر تم خیال کرتے ہو کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے تو تم سب مل کر ایک سورت ہی ایسی لکھ لاؤ۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ قرآن کا یہ چیلنج آج بھی ڈیڑھ ہزار سال گزرنے کے بعد اسی طرح اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مسیلمہ اور متنبی وغیرہ نے کوشش کی لیکن خود ان کے حامیوں نے ہی ان کی ہفوات کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور آج ان کا کہیں نام بھی سننے میں نہیں آتا۔ صرف تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ گویا معجزہ بھی آپ کو لاثانی ہی عطا فرمایا گیا۔

اُمت کے لحاظ سے اگر آپ نبی کریم کی ذات پر نظر ڈالیں تو فوراً احساس ہوتا ہے کہ اس باب میں بھی کوئی آپ کا مد مقابل نہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس امت کا دین کامل اور اکمل ہے۔ دوسرے یہ کہ ابدی ہے اب اس میں کسی بنیادی تبدیلی کا امکان نہیں۔ یہ ایک بہت بڑا اشرف ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کی دو بڑی خصوصیات بیان کی ہیں ایک تو یہ ہے کہ یہ امت اپنی نوعیت اور کیفیت کے لحاظ سے "امت وسط" ہے یعنی اس کی زندگی کے اصول و قوانین درمیان کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور زندگی کے ہر شعبے میں افراط و تفریط سے بچاتے ہیں اس کے مقابلے میں دنیا کے جتنے ادیان پر آپ نظر ڈالیں فوراً یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ اکثر معاملات میں وہاں افراط و تفریط کی قباحت نظر آتی ہے یعنی توازن و اعتدال غائب ہے مثلاً عیسائیت کہتی ہے کہ زندگی مردود ہے اسے ترک کرو اور رہبانیت اختیار کرو کیوں کہ اس کی ابتداء ہی گناہ سے ہوئی ہے لیکن اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ زندگی گناہ کا ثمرہ نہیں۔ حضرت آدمؑ و حواؑ کا گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا تھا بلکہ رسول کریم ﷺ نے واضح طور پر فرما دیا۔ "لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ" یعنی اسلام میں رہبانیت اور ترکِ دنیا کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اگر ترکِ دنیا اور ترکِ حیات کا جواز ہوتا زندگی پیدا ہی کیوں ہوتی پھر تو تخلیقِ کائنات ایک عبث فعل ہو جاتا ہے۔ اسلام نے دین و دنیا میں توازن اور اعتدال قائم کیا ہے۔ دنیا کو مزرعۃ الآخرت کہا۔ خودکشی اور خود آزاری کو حرام قرار دیا۔ بلکہ قرآنِ کریم میں جو بہترین دعا شمار کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ: "رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" یعنی اے رب ہمارے ہمیں دنیا کا بھی حسن عطا فرما اور دین کا بھی گویا حسنِ زندگی کے حصول کے بارے میں دین و دنیا کو ہم پلّہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ رسول کریم نے اپنی ایک حدیث میں اسی میانہ روی اور اعتدال کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ "خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا" یعنی کام میانہ روی اختیار کرنے سے بہترین طریقے پر انجام پاتے ہیں۔ اسی قسم کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی

ہیں۔ اختصار کی خاطر نظر انداز کرتے ہیں۔ دوسری خصوصیت اللہ تعالیٰ نے اس امت کی یہ بیان کی کہ یہ بہترین امت ہے اور اس کا سبب یہ بیان فرمایا کہ یہ دنیا میں نیکی کی علمبردار ہے اور لوگوں کو برائی سے روکتی ہے۔ ''کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ'' گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس امت کا فرض قرار پایا۔ یہاں یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ بہترین امت ہونا غیر مشروط نہیں اگر یہ اپنا فریضہ ادا کرے گی تو بہترین امت قرار پائے گی اور اس کی افادیت سے سرفراز ہوگی لیکن اگر اپنا فریضۂ انجام نہیں دیتی تو سنتِ خداوندی یہی ہے کہ ''لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى'' یعنی انسان کو وہی کچھ حاصل ہوتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ امت فرض سے روگردانی کرے۔ بداعمال اور کم حوصلہ ہو۔ نہ اعلائے کلمۃ الحق کرے اور نہ امر بالمعروف کا فریضہ انجام دے اور خدا کے نزدیک پھر بھی بہترین امت اور اس کی محبوب بنی رہے۔ یہ ممکن نہیں۔ یہ تصور یہودیوں کا تو ہے لیکن اسلام کا تصورِ امت یہ نہیں ہے۔ قرآنِ کریم نے صاف کہہ دیا ہے کہ تم بہترین اُمّت ضرور ہو لیکن صرف اس وقت تک جب کہ اپنے فرائض منصبی کو ادا کرتے رہو۔ اور فرائض انسان قرآن کریم نے بنیادی طور پر تین ہی مقرر فرمائے ہیں۔ یعنی عبادت، خلافت اور اعمالِ صالحہ ان سے بے نیازی تباہی کی علامت ہے۔

اب آخر چند جملے اس انقلاب کے بارے میں عرض کردوں جو نبی کریم نے انسانی معاشرے میں برپا کر دیا تاکہ اندازہ ہو جائے کہ اب اس ضمن میں بھی لاثانی ہی قرار پاتے ہیں۔ انقلاب کا اندازہ کرنے کے لئے اس سے پہلے کے حالات زیرِ نظر ہونا ضروری ہیں۔ مختصراً یہ کہ دنیا میں ہر جگہ ہر مذہب میں شرک کا دور دورہ تھا۔ اخلاقی اقدار ختم ہو چکی تھیں۔ شراب، جوا، بدکاری، غارت گری شرافت کا معیار بن گئی تھیں۔ علاموں کو ذبح کر دینا، بھوکے شیروں کے سامنے ڈال دینا۔ آپس میں لڑا کر مروا دینا ایک کھیل تماشہ تھا۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا ایک عام رواج تھا۔ وحشیانہ جنگ و جدال۔ انتقام کا نہ ختم ہونے والا چکر روز مرہ کا معمول تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی تلقین نے آناً فاناً ان تمام عیوب کو پہلے عرب معاشرے سے ختم کر دیا اور بعد میں یہ روشنی اسلام کے مجاہدوں اور جانبازوں نے تمام دنیا میں پھیلا دی۔ عرب سے کم از کم ان تمام برائیوں کا خاتمہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا۔ اس کے مقابلے میں آپ دوسرے انبیاء کی زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ یہودی صدیوں تک اپنے انبیاء کو پریشان ہی کرتے رہے بلکہ اکثر کو قتل کر دیا اور ہمیشہ کتابوں میں تحریف کرتے رہے۔ اخلاقی اور معاشرتی قوانین سے بغاوت ہی کرتے رہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ان کے قسیس اور رہبانوں نے جو کچھ کیا وہ سب کو معلوم ہے۔ یہاں تک ان کے ایک حواری نے ہی ان کو گرفتار کرا دیا۔ اور عیسائیت کی تبلیغ بھی حضرت عیسیٰؑ کے صدیوں بعد ہی ممکن ہو سکی۔ چنانچہ یہ دعویٰ غلط نہیں کہ نبوت کے لحاظ سے آپ کی کوئی مثال نہیں۔

آفاقہا گردیدہ ام | مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام | لیکن تو چیزے دیگری

نظر زیدی

حُبِّ رسول ﷺ کے تقاضے

قرآن پاک اور مستند احادیث کی رو سے تو یہ بات ثابت ہے ہی کہ رحمتِ دو عالم، نبی برحق حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی کو محبوب جاننا ایمان کا حصہ ہے، خالص مادی نقطۂ نظر سے بھی یہ بات بہت ضروری ہے۔

شرافت کا یہ لازمی وصف ہے کہ اگر کسی نے کسی قسم کا ادنیٰ سا احسان بھی کیا ہو تو نہ صرف اس احسان کا اعتراف کیا جائے بلکہ اپنے محسن کے احترام و اکرام میں کسر نہ رکھی جائے۔ اور جب یہ بات ضروری ٹھہری تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ جس محترم ہستی کے صدقے میں ہمیں دین اور دنیا کی بے شمار برکتیں حاصل ہوئیں۔ ہمارے سینے ایمان کے نور سے منور ہوئے، ہمارے دماغوں کو علم کی روشنی میسر آئی اور جس کے پسینے کی خوشبو اور مبارک پیشانی سے بہتے ہوئے لہو کے رنگ نے اس خاکدانِ تیرہ کو نسلِ انسانی کے رہنے اور بسنے کے قابل بنایا۔ اس کے لئے ہمارے دلوں میں محبت نہ ہو!

یقیناً وہی شخص پکا اور سچا مسلمان ہے جس کا دل افضل الانبیاء ﷺ کے عشق کی چنگاری سے منور ہو چکا ہے۔ جس دل میں یہ نور نہیں آتا وہ کسی اور نور کے اکتساب کے قابل بن ہی نہیں سکتا البتہ اس سلسلے میں یہ سوال بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اس مقدس محبت کی علامت اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟

کیا یہ کہ انسان ایک خاص قسم کی وضع قطع اختیار کرلے اور اس کے اٹھنے بیٹھنے اور رہنے سہنے کے خاص انداز ہوں!

یا یہ کہ اخلاق و عادات اور اعمال و افعال کے لحاظ سے اس کی زندگی ایک ایسے سانچے میں ڈھل جائے کہ اس کی بات بات سے سیرت رسول ﷺ کی خوشبو آئے!

قومی تشخص اور حُبِّ رسول ﷺ کا تقاضا یقیناً یہ بھی ہے کہ انسان کی شکل و صورت اور وضع قطع ایسی ہو جیسی آقائے دو جہان ﷺ کی تھی لیکن سچ یہ ہے کہ اس سے زیادہ ضروری بات اس اندازِ فکر اور لائحہ عمل کو اپنا لینا ہے جس اسلام کا فلسفۂ زندگی کہا جاتا ہے کیونکہ قرآن کی رو سے انسان کا اصل لباس اس کا تقویٰ ہے۔ یا کم از کم یہ بات تو بہرحال ضروری ٹھہرتی ہے کہ جو شخص وضع قطع میں مسلمان ہو اس کے کردار اور سیرت میں اسلام کے اصولوں کی جھلک اور چمک بھی ضرور نظر آنی چاہئے۔

ہم سب اس بات سے آگاہ ہیں کہ موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی تعداد ستر اور اسی کروڑ کے درمیان ہے اور خدا کے فضل سے یہ پورے کرۂ ارض پر پھیلے ہوئے ہیں۔ پانچوں برّاعظموں اور معلوم جزائر میں سے شاید ہی کوئی بڑی بستی ایسی ہو گی جہاں کوئی کلمہ گو تو آباد نہ ہو گا لیکن اسی قوم کے اثر و اقتدار کا یہ حال ہے۔ کہ یہ ہر جگہ کافروں او مشرکوں کی دبیل اور اکثر معاملات میں ان کی دست نگر ہے، جب کہ قرونِ اولیٰ میں جب توحید کے علمبردار طوفانی لہروں کی طرح روئے زمین پر پھیل گے تھے اور کوئی طاقت ان کے راستے کی رکاوٹ نہ بن سکی تھی ان کی گنتی چند لاکھ سے زیادہ نہ تھی۔

آخر ہم کیوں غائب وخاسر اور وہ کیوں سر بلند وکامگار تھے؟ یقیناً اس لئے کہ وہ حبّ رسول ﷺ کے تقاضوں سے پوری طرح آشنا تھے اور قرآن کی تعلیمات ان کے رگ وریشے میں اس طرح رچ بس گئی تھی کہ وہ اپنے محبوب رسول کے کسی حکم سے بھی انحراف نہ کرتے تھے۔

- جب ان سے کہا گیا خدائے واحد کے سوا تمہارا سر کسی کے سامنے نہیں جھکنا چاہیے تو پھر یہ تو ہوا کہ ظلم کی تلواروں نے ان کے سر تن سے جدا کر دیئے مگر یہ کبھی نہ ہوا کہ بہ رضا ورغبت ان میں سے کسی کا سر غیر اللہ کے سامنے جھک گیا ہو۔
- جب ان سے کہا گیا، شرک کے علاوہ زنا، جوا، شراب نوشی، جھوٹ، غیبت، عیب جوئی، اتہام تراشی، چوری، دختر کشی اور ایسے ہی تمام اعمال قبیحہ سے تائب ہو جاؤ اور پھر کسی صورت میں بھی ان کے قریب نہ جانا! تو وہ ایسے طاہر ومطہر ہو گئے کہ شاید فرشتوں کو بھی ان کے تقدس اور طہارت پر رشک آتا ہو گا۔
- جب ان سے کہا گیا خاندانی غرور، نسل اور رنگ کا فخر، طاقت کا نشہ، دولت کی مستی، آپس کا بیر اور ناروا نفرت سب ترک کر دینے کے قابل ہیں۔ رنگ ونسل اور زبان کے اختلاف کے باوجود جو شخص مسلمان ہو جائے وہ تمہارا بھائی ہے اور تمہارے سگے عزیزوں میں سے جو کوئی اس راہ ہدایت کو نہ اپنائے وہ تمہارے لئے غیر ہے تو ان کی بستیاں امن کا گہوارہ اور ان کے قلوب محبت ومروّت کی دنیا بن گئے۔
- جب اُن سے کہا گیا۔ خدا کی زمین پر خدا کی بادشاہت قائم کرنے اور مظلوموں کو ظالموں کے ظلم سے نجات دلانے کے تلوار لے کر جہاد کے لئے نکلو! تو وہ اس سج دھج اور جوش وجذبے سے میدانِ دغا کی طرف بڑھ گئے۔ کہ نہ مال ودولت اور جائیدادوں کی محبت ان کے پیروں کی زنجیر بن سکی۔ نہ جان کا خطرہ ان کے لئے خطرہ بنا اور نہ طاقتور دشمنوں کا خوف ان پر غالب آسکا۔ وہ حجلۂ عروسی میں عروسِ نو کو چھوڑ میدان کارزار میں آگئے اور انہوں نے جنت کے باغوں کی ٹھنڈی چھاؤں اور آبِ خنک کے شوق میں دامن کی کھجوریں فرشِ خاک پر پھینک دیں۔
- جب ان سے کہا گیا اللہ کے لئے اپنا وطن چھوڑ کر دیارِ غیر کو اپنا وطن بنا لو اور اپنے ان رشتہ داروں سے قطع تعلق کر کے جن کا خون تمہاری رگوں میں گردش کر رہا ہے ان لوگوں کو اپنا بھائی اور عزیز تصور کرو جن سے اتحادِ فکر وخیال کے سوا تمہارا کوئی رشتہ نہیں تو دنیا نے دیکھا بلال حبشی سلمان فارسی اور صُہیب رومی رضی اللہ علیہم اجمعین نجیب الطرفین قریش کے محفلوں میں زانو سے زانو ملا کر بیٹھے ہیں اور ابو لہب اور ابو جہل جیسے قریشی سردار لعنت کے مستحق ٹھہرائے گئے۔

یہ سب کچھ کیوں ہوا نہ صرف اس لئے کہ یہ احکام انہوں نے اپنے اس محبوب پیغمبر ﷺ کی مبارک زبان سے سنے جسے وہ اپنی جانوں، اپنے اموال اور اپنی آل اولاد سے زیادہ محبوب جانتے تھے۔ خدا کو تو انہوں نے دیکھا ہی نہ تھا۔

اور جب ہزار خوبیوں کی یہ خوبی اور ہزار برکتوں کی یہ برکت ان کی زندگی پر سایہ فگن ہوئی تا بادشاہوں کے تاج ان کے قدموں میں ڈال دیئے گئے اور انہیں پوری زمین کا وارث بنا دیا گیا۔ اس کروفر کے ساتھ کہ تمام انسانی بستیوں کے فیصلے ان کی منشاء کے مطابق طے پاتے تھے۔

ان مقدس لوگوں کے مقابلے میں جو ہر لحاظ سے خلافتِ ارضی کے مستحق تھے ہمارا حال کیا ہے؟ کہ یہ نہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہر حکم کو ڈھٹائی سے توڑتے ہیں اور قریب قریب ہر معاملے میں بغاوت کا علم بلند کیے ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں انتہائی شرمناک صورت یہ ہے کہ عمل کے میدان میں ان حضرات کا حال بھی قوم کے جہلا سے مختلف نہیں جو حُبِ رسول ﷺ کے دعویدار اور اسلام کو اپنا اوڑھنا بچھونا ثابت کرنے پر اصرار کرنے والے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں دنیا کی محبت اور مال و دولت کی حرص سے دامن بچانے کا حکم دیا اور ہمارا حال یہ ہے کہ بعض حالات میں ہم نے حبِ رسول کے دعویٰ تک کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے! انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ہم تک قرآن مجید کا یہ روشن اور واضح حکم پہنچایا۔ کہ اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے تھامے رکھنا اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ لیکن ہم موت اور تباہی کو اپنے سروں پر مسلط دیکھ کر بھی آپس کی سر پھٹول سے باز نہیں آتے۔ ہم نے دین کی سب سے بڑی خدمت ہی اسی بات کو سمجھ رکھا ہے کہ ایک دوسرے کو بے آبرو کریں اور کافر قرار دے کر اس کے درپئے آزار ہو جائیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے جہاد کے احکام ہم تک بھی اسی طرح پہنچائے ہیں جس طرح اپنے زمانے کے مسلمانوں کو پہنچائے تھے لیکن عملی طور پر ہمارا حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان اُمتیوں سے بھی بدتر ہے جنہوں نے کہہ دیا تھا۔ جا تُو اور تیرا خدا ہی جہاد کرے۔ ہمیں اپنے اموال یہودیوں سے زیادہ عزیز اور اپنی جانیں زخموں سے زیادہ پیاری ہیں۔

اللہ کے سچے رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے ہمیں حق شناسی، انصاف نیک چلنی اور ایمانداری کا حکم دیا ہے لیکن ہم نے ہر بے ایمانی اور بد چلنی کو اپنے لئے جائز اور ہر اچھائی کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ ہماری بستیوں میں جوئے خانوں، عصمت فروشی کے اڈوں، نشہ بازوں کے تکیوں اور لہو و لعب میں مبتلا رہنے والوں کی محفلوں کی کس قدر کثرت ہے، اور ہم رشوت جعلسازی کذب و افترا اور دوسرے کبائر پر کس قدر دلیر ہو گئے ہیں! بلا مبالغہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے متقی بھی جب بات کرتے ہیں تو ان کے منہ سے فساد کی بُو اور عناد کی سڑاند آتی ہے۔

ہم نے مقدس قرآن اور اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث میں معانی و مفہوم سمجھنے کی حد تک اس قدر تحریف کر لی ہے کہ نہ کوئی برائی ہمارے ایمان کے لئے خطرہ بنتی ہے اور نہ کسی آلودگی سے ہمارے تقویٰ کا لباس میلا ہوتا ہے۔ ہم وحشی جانوروں کی طرح ایک دوسرے پر غراتے ہیں اور ڈاکوؤں اور چوروں کی طرح ایک دوسرے کا حق تلف کرتے ہیں۔ یہ سب کیوں ہے؟ یقیناً اس لئے کہ ہم نے حُبِ رسول ﷺ کے حقیقی مفہوم کو بھلا کر ایک خود ساختہ مفہوم اپنا لیا ہے۔ اپنے اعمال و افعال اور اقوال کو قرآن و حدیث کے مطابق بنانے کی جگہ ہم صرف اپنے زبانی دعوؤں اور قولی عبادات کو توحبِ رسول ﷺ کی نشانی خیال کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم اوہام کے اس گنبد سے باہر نکل کر قرآن اور حدیث کی روشنی میں حبِ رسول ﷺ کے تقاضوں کو سمجھیں اور نور محمدی ﷺ کی مقدس مشعلیں لے کر انسانی بستیوں کو روشن کر دیں، دوسروں کا کیا ذکر خود ہماری آبادیاں اور ہمارے اپنے بچے اس روشنی کو ترس رہے ہیں۔

حمید اللہ خاں نیازی (ایم۔اے)

انسانی تاریخ کا حیرت انگیز معجزہ

هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکین (التوبہ) (کتنی بلند وبالا ہے وہ ذات جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا کہ وہ اسے زندگی کے تمام نظاموں پر غالب کر دے خواہ اس کا یہ کام نظامِ حق کے منکروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے اس آیتِ مبارکہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت کا مقصد صرف کسی ایک شعبہ میں اصلاح کرنا نہ تھا بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر خدائی ہدایت کے مطابق کرنا تھا۔ چنانچہ عہد رسالت کی تاریخ کا مطالعہ صاف صاف واضح کرتا ہے کہ آپ نے افکار و نظریات، اعتقادات وعبادات اخلاق و معاملات، معیشت وسیاست، تہذیب و معاشرت الغرض زندگی کے ہر شعبہ اور ہر حصہ میں انقلابی اور اصلاحی تبدیلیاں کیں ۱۵، ۲۰ سال کی مختصر مدت میں مٹھی بھر جاں نثاروں کے پُر خلوص تعاون سے ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست جس کی آبادی بمشکل چھ سات ہزار ہوگی پورے عرب کو چیلنج کرتی ہے۔ ہر قسم کی جاہلیت کے مقابلے میں ایک پاکیزہ معاشرہ ابھرتا ہے اور انسانی تہذیب وتمدن کا نمونہ تیار ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ جس کی بنیادیں خدا خوفی، ایثار و قربانی، خلوص و محبت، پاکیزگی اور شرافت پر رکھی گئی ہیں۔

لوگ نہ صرف سیاسی نظام کے تابع ہوئے بلکہ ذہنی اور نظریاتی طور پر تبدیل ہوئے۔ جمی ہوئی جاہلانہ قدریں تیزی سے اکھڑنا شروع ہو گئیں۔ اخلاق بدل گئے، جذبات میں اعتدال، اعتقادات میں خلوص وپاکیزگی سیاست میں عدل وانصاف اور معیشت میں توازن پیدا ہو گیا۔

جاہل، اجڈ اور منتشر مخلوقِ خدا رسالت کے جھنڈے تلے جمع ہوئی اور علم و شعور او ایمان و ایقان کی دولت سے بہرہ ور ہو کر بے مقصد اور فضول زندگی چھوڑ کر با مقصد اور مفید زندگی سے بہرہ ور ہوئی اور ان میں بحیثیت مجموعی سوچنے کا ایک نیا انداز پیدا ہوا۔ ان کی صدیوں کی عداوتیں باہمی محبتوں میں تبدیل ہو گئیں۔ اگرچہ عرصہائے عرصہ کی طوائف الملوکی ختم کرکے انہیں ایک سیاسی نظام کے تحت لے آنا کوئی چھوٹا کارنامہ نہ تھا مگر اس سے بھی ہزاروں درجہ زیادہ وقیع کارنامہ وہ فکری، اخلاقی اور تہذیبی و تمدنی انقلاب تھا جس کی مثال تاریخ عالم میں ملنا ممکن نہیں۔ آپ کا دیا ہوا ضابطۂ حیات انسانی فطرت کے اس قدر مناسب ثابت ہوا کہ اس کی برکت سے انتشار وافتراق اور طوائف الملوکی اپنی موت آپ مر گئی۔ آپ کی سیاسی بصیرت نے ایک چھوٹی سی مدنی سلطنت کو اتنا وسیع کر دیا اور پھر اس میں اتنا استحکام پیدا کر دیا کہ روم وایران کی متمدن اور مضبوط ترین قومیں اسے خراج دینے پر مجبور ہو گئیں۔ ابھی ایک صدی بھی نہ گزری تھی کہ خلیفہ ولید بن عبد الملک کے عہد میں اسلامی سلطنت مغرب میں سرحدِ فرانس سے نکل کر خلیج بسکے تک پھیل گئی اور مشرق میں اس کی حدود ماوراء النہر سے آگے سرحد چین تک، سارا وسطی ایشیا اور شمالی افریقہ ایک خلیفہ کے زیرِ انتظام و زیرِ انصرام آگیا۔ تاریخ انسانیت میں ایسی بے مثال و وسیع و عریض مملکت برطانیہ کو اپنے عروجِ اقبال کے اس دور میں بھی میسر نہ ہوئی جبکہ یہ مقولہ زبان زد عام تھا کہ برطانیہ کی سر زمین میں سورج غروب نہیں ہوتا۔

یہ رسالت مآب ہی کی برکت تھی کہ دنیا بھر کی تہذیب و تمدن کی باگ دوڑ مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی۔ جس کا اثر اتنا گہرا ہوا کہ عراق، شام،

فلسطین، مراکش، مراکو، ٹیونس اور الجزائر کی اپنی مادری زبانیں تک تبدیل ہو کر عربی بن گئیں۔ پوری تاریخ انسانیت ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ دنیا کا کوئی انقلاب اس قدر گہرے نقوش ثبت نہ کر سکا کہ مختلف ممالک کی اپنی مادری زبانیں بھی تبدیل کر کے رکھ دے۔

علوم وفنون:

محمد مصطفیٰ ﷺ نے جس تحریک کی بنیاد رکھی اس کی بنیادیں عقل وشعور پر مبنی تھیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دینی وسائنسی اور نقلی وعقلی علوم پروان چڑھنے لگے۔

جس دور میں پورا یورپ اور عصر حاضر کی مہذّب مغربی دنیا سائنسی ترقی علم وفن کے نام تک سے آگاہ نہ تھی اس وقت سپین کے مسلم اطباء علمِ طبّ میں ترقی کی اس انتہا کو پہنچ چکے تھے کہ انسان کا دل باہر نکال کر کامیاب اپریشن کر لیتے۔ اور بعید ترین سیاروں کا فاصلہ اور ان کی رفتار معلوم کر لی تھی اور یہ وہ حقائق ہیں جن کا اعتراف خود مستشرقین نے حیرت واستعجاب کے عالم میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو جارج سارٹن کی تصنیف (سائنسی تاریخ کا ایک تعارف)

ہر قوم کا عروج وزوال اس کے اصولوں پر پختہ یقین اور ان پر کاربند رہنے میں ہوتا ہے۔ اہلِ مغرب کی دنیاوی ترقی کا یہی راز ہے لیکن مسلمان جنہیں اعلیٰ ضابطوں اور ایمان کی بدولت دارین کی فوز وفلاح کا ضامن ٹھہرایا گیا تھا وہ بے یقینی اور بے عملی کی حالت میں ذلیل وخوار ہو گئے۔ آج بھی اس نعمتِ گم گشتہ کو واپس لانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے دینِ رسالتِ مآب ﷺ سے تمسک واعتصام، جس کی بنیاد "کاشانۂ ختم الرسل سے محبت ووابستگی اور تعلق ودارفتگی" پر ہے۔ چنانچہ دشمنانِ اسلام ہمارے اس تعلق کو منقطع کرانے کے لئے مشرق ومغرب میں ہمہ تن مصروف ہیں کبھی وہ مسلمانوں کو پھاڑنے کے لئے نئی نبوت کا فتنہ کھڑا کر کے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور کبھی سوشلزم اور کمیونزم کا سرخ جال بچھاتے ہیں کبھی منکرینِ حدیث اور اہلِ قرآن کی شکل میں مسند آرا ہوتے ہیں اور کبھی مسلمانوں کی سلطنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مٹا دینے کے منصوبے بنا رہے ہوتے ہیں۔ کیونکہ تمام باطل قوتیں ملّتِ واحدہ ہیں اور انہیں شدید خطرہ ہے کہ اگر مسلمان دینِ اسلام پر استقلال واستقامت سے جم گئے تو ہماری جڑیں تک کھود ڈالیں گے۔ اور قابلِ افسوس تو یہ بات ہے کہ نادان مسلمان کفار کی سازشوں کو سمجھنے کے بجائے ان کا شکار ہو رہا ہے جسے ڈاکٹر اقبال نے یوں بیان کیا ہے:

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

اور نئی نبوت کی یوں نقاب کشائی کی:

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گرِ اقوام ہے یہ صورتِ چنگیز

اور مغربی تہذیب کے دلدادہ مسلمانوں کو یہ حقیقت سمجھائی کہ:

کی ترقی جو مسلماں نے فرنگی ہو کر
یہ فرنگی کی ترقی ہے مسلماں کی نہیں

اور اسلام کے ساتھ سوشلزم کا پیوند لگانے والے منافقانہ رویہ رکھنے والوں کو یوں نصیحت کی:

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

یہ حقیقت ہے کہ جس کی محبت دل میں گھر کر جائے اس کی یاد دل میں مستقل طور پر جاگزیں ہو جاتی ہے۔ رسولِ پاک ﷺ سے محبت کا دعویٰ ہو اور پھر ان کا اسوۂ حسنہ نظر انداز کر دیا جائے یہ دونوں متضاد چیزیں ہیں۔ اگر آپ ﷺ سے محبت ہے تو پھر آپ ﷺ کا ہر حکم اور ہر فعل زندگی کا جزو بننا لازمی ہے۔ جتنی محبتِ رسول ﷺ کم ہو گی اتنا ہی آپ ﷺ کے ارشادات پر عمل کرنا دشوار ہو گا۔ اذان کی آواز سن کر مسجد میں نہ جانا، رزقِ حلال کی بجائے حرام کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا، رسولِ پاک ﷺ کی واضح ہدایت کے باوجود شراب اور زناکاری میں مبتلا ہو کر دین و دنیا برباد کرنا۔ مسلمان عورتوں کا شریعت کی حدود توڑ کر غیروں کی نظر میں محبوب ہونے کے لئے نیم عریاں ہونے سے گریز نہ کرنا۔ سودی کاروبار اور جھوٹ و فریب کو ہوشیاری سمجھنا، سبھی کچھ آپ ﷺ سے دوری اور دشمنی کے اظہار کے مختلف رُوپ ہیں۔ جنہیں دیکھ کر شیطان اور اس کے چیلے خوش ہوتے ہیں اور مزید حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

افسوس مسلمان اس حدیث کو بھول گیا کہ شرم اور ایمان کبھی علیحدہ نہیں ہو سکتے۔

اور محمد مصطفےٰ ﷺ سے محبت کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ برے اخلاق میں عبادات ضائع ہو جاتی ہے۔ اور دکھاوے کی ہر نیکی برباد ہو جاتی ہے۔ اور رزق حرام کے ساتھ عبادت قبول نہیں ہوتی۔ یہ تمام فراموشیاں شیاطین مغرب کی پیدا کردہ ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان کبھی ذلیل اور مغلوب نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کا تعلق حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور آپ کے اسوۂ حسنہ سے ہے اور وہ اس پاکیزہ تعلق کو ختم کرنے کے لئے ہمہ تن مصروف ہیں۔ اور ان کا مطمعِ نظر یہ ہے

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیّلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

آج باطل قوتوں کی سازشوں کو سمجھنے اور اپنی نیتوں کو درست کرنے اور محمد مصطفےٰ ﷺ سے محبت کی بنیاد پر اپنی زندگی ان کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ڈھالنے اور نئی نسل کو محمد ﷺ عربی کی تعلیم دینے اور باہمی اتفاق و اتحاد کی ضرورت ہے۔ جس کے بعد انشاء اللہ وہ دن دور نہ ہو گا کہ یہی

راندے ہوئے مسلمان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا مستحق بنالیں گے۔ اور مشرق و مغرب کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم ایماندار ہو تو دنیا بھر میں غالب تم رہو گے۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ابو القاسم محمد رفیق جذبؔی

حضرت محمد ﷺ اور معجزات

اللہ تعالیٰ اپنے انبیائے کرام کو نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مختلف زمانوں کے اندر اور مختلف قوموں کے درمیان مبعوث فرماتا ہے۔ اور ان کی نبوت کی حقانیت پر بہت سی باطنی اور ظاہری شہادتیں فراہم کر دیا ہے تاکہ حقیقت شناس انسان ان کی باطنی شہادتوں کا مشاہدہ کر کے ان کو برحق تسلیم کر لیں اور سطح بین لوگ ان کی ظاہری دلیلوں کو دیکھ کر اُن پر ایمان لے آئیں اور جو کج فہم ہوں ان پر حجت تمام کر دی جائے۔

چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی صداقت و عصمت، امانت و دیانت، ارشاد و دعوت، تعلیم و ہدایت اور تزکیہ ٔحکمت ہی اُن کی باطنی نشانیاں اور علامتیں ہوتی ہیں جنہیں اہلِ بصیرت کی نظریں دیکھ لیتی ہیں اور ان کی نبوت پر گواہی دے دیتی ہیں۔

فی الحقیقت انبیاء کا سر تاپا وجود ہی ان کی نبوّت کی اصل شہادت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہنے والوں نے کبھی ان سے ظاہری نشانیوں، معجزات کا مطالبہ نہیں کیا ہے۔ السابقون الاوّلون کے ایمان نے کسی معجزے کی طلب سے اپنا دامن داغدار نہیں کیا۔ ان کی دیکھنے والی آنکھ کے لئے نبی کا سراپا وجود، ان کے سننے والے کان کے لئے اس کی آواز، اور ان کے سمجھنے والے دل کے لئے اس کا پیغام ہی اپنے اندر وہ اعجاز رکھتا تھا کہ اُن کی گردنیں بے اختیار اس کے آگے جھک جاتی ہیں۔

در دل ہر کس کہ دانش رامزہ است　　　روئے و آوازِ پیمبر معجزہ است

یعنی 'نبی کی آواز اور چہرہ ہر جاننے والے دل کے لئے معجزہ ہوتا ہے۔'' مولانا رومؒ

حضرت ہارونؑ اور حضرت یوشعؑ کا موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر مان لینا کسی معجزے کا رہین منت نہیں تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے 'اعجازِ مسیحائی' کے مشاہدے کے بعد آسمانی دولت سے بہرہ حاصل نہیں کیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عمرؓ، عبد الرحمٰنؓ بن عوف اور ابو عبیدہ بن جراحؓ نے فرشتوں کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھ کر یا چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا نظارہ کر کے ایمان قبول نہیں کیا تھا۔

لیکن دنیا میں کوتاہ فہموں اور ظواہر پرستوں کا ایک بہت بڑا گروہ ایسا بھی بستا ہے جسے مشاہدۂ معجزات کے بغیر اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ اس گروہ کے لوگوں کے غنچہ ہائے دل کے کھلنے کے لئے کسی معجزے کی بادِ صبا کا خرام ضروری ہوتا ہے تاکہ اس سے یہ غنچے کھل کر یوں گویا ہوں کہ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ، رَبِّ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ [1] یا پھر ایسے لوگ جب کبھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوں اور کوئی معرکہ ٔحق و باطل برپا ہو تو فرشتوں کی قطار اندر قطار فوجوں کی نصرت و تائید سے ان کے مضطرب دلوں کو دولتِ سکون و اطمینان سے مالا مال کر دیا جائے۔

بایں ہمہ ایک گروہ ایسا بھی ہوتا ہے جو اگرچہ طلبِ معجزات میں سب سے آگے ہوتا ہے لیکن اس گروہ کے نمرود اور ابو جہل اپنے کفر و جحود کی وجہ سے آگ کو گلستان ہوتے دیکھ لینے کے باوجود اور چاند کے دو ٹکڑے ہوتے دیکھنے کے باوصف، نعمت ایمان سے محروم ہی رہتے ہیں ایسے لوگوں کے

[1] ہم پروردگارِ عالم پر ایمان لائے، جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے (الشعراء ۴۸،۴۷)

لئے قرآنِ حکیم کا ارشاد یہ ہے وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ [2]

متکلمین کی اصطلاح میں معجزے کی تعریف یہ ہے کہ 'کسی نبی سے کسی ایسے واقعے کا ظہور ہونا جو عام حالات میں انسانی دسترس سے باہر ہو اور جس کی توجیہہ سے عقلِ انسانی عاجز ہو۔"

محدّثین نے اس کے لئے 'علامت' اور 'دلیل' کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور قرآن نے اسے 'آیت' اور 'برہان' سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خالق اور حاکم تسلیم کر لینے کے بعد معجزے کی حیثیت قانونِ فطرت کے ایک خارق کی نہیں رہتی بلکہ قانونِ فطرت کے عین مطابق ہو جاتی ہے کیونکہ جو ارادۂ الٰہی فطرت کے سلسلۂ اسباب و علل کا خالق ہے وہی اس کے عمل سے مانع ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کی توجیہہ بھی ارادۂ الٰہی کے ایک عمل سے کی جا سکتی ہے۔

خالقِ کائنات نے مختلف انبیائے کرام کو مختلف حالات و مقتضیات کے تحت مختلف معجزوں سے نوازا تھا۔ کسی کی بد دعا نے اس عالم پر طوفان بن کر قیامتِ صغریٰ بپا کر دی تھی۔ کسی کے وجودِ مسعود سے آتشِ نمرود کا الاؤ ایک گلزار میں تبدیل ہو گیا تھا۔ کسی کی تیز قوتِ شامہ نے سینکڑوں میل ور سے پیراہنِ یوسفؑ کی خوشبو محسوس کر لی تھی۔ کسی کو 'تاویل الاحادیث' کے مخصوص علم سے وافر حصہ ملا تھا۔ کسی کے ہاتھوں میں سخت لوہا موم ہو جاتا تھا۔ کسی کا تختِ سلطنت ہواؤں میں اڑتا پھرتا تھا۔ کسی کے عصا کی ایک ہی ضرب سے پتھروں سے چشمے اُبلنے لگتے اور کبھی دریاؤں میں شاہراہیں بن جاتی تھیں۔ کسی کے 'نفسِ مسیحائی' سے اندھوں کو بینائی، گونگوں کو گویائی، کوڑھیوں کو صحت اور مردوں کو زندگی مل جاتی تھی لیکن نبی آخر الزّمان، مکمل الشرائع والادیان، حضرت محمد ﷺ کو درگاہِ حق سے دوسرے تمام انبیاء سے بڑھ کر معجزات عطا ہوئے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ:

لِكُلِّ نَبِيٍّ فِي الْاَنَامِ فَضِيْلَةٌ وَجُمْلَتُهَا مَجْمُوْعَةٌ لِمُحَمَّدٍ [3]

معجزۂ قرآن:

حضور ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ 'قرآن' ہے۔ سابقہ انبیاء کرام کے معجزوں کی نوعیت، حیثیت اور تاثیر عارضی اور وقتی تھی مگر آپ کا یہ معجزۂ قرآن اپنی نوعیت و حیثیت کے لحاظ سے دائمی اور تا قیامت باقی رہنے والا ہے۔ اس کی قوّتِ تاثیر بنی نوعِ انسان کے قلوب و اذہان کو قیامت تک مسخر کرتی رہے گی۔ یہ کتاب ہر لحاظ سے معجزہ ہے۔ اس کے الفاظ و معانی، اس کی فصاحت و بلاغت، اس کی تعلیم و ہدایت، اس کا زورِ استدلال اور اس کی قوّتِ نفوذ و تاثیر سب معجزہ ہیں۔ دنیا اس کے مثل کلام لانے سے بے بس ہے۔ اس کی یہی صفتِ اعجاز تھی جس سے عرب و عجم کے بڑے بڑے فصحاء و بلاء اور شعراء و ادباء تک کی زبانیں گنگ ہو گئی تھیں جب اُن کے سامنے اس نے اپنا یہ چیلنج رکھ دیا تھا کہ: اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ [4]

---

[2] کفر کا راستہ اختیار کرنے والوں کے لئے اللہ کی نشانیاں اور تنبیہات بے سود ہیں (یونس ۱۰۱)
[3] دیگر مخلوقات پر ہر نبی کو ایک نہ ایک فضیلت حاصل ہے لیکن تمام فضائل کا مجموعہ ذاتِ محمد ﷺ ہے۔
[4] اور اگر تم کو اس (کتاب) میں کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مدد گار ہوں ان کو بھی بلا لاؤ اگر تم سچے ہو (البقرہ:۲۳)

اور اس چیلنج کا جواب دینے سے دنیا ہمیشہ قاصر رہی ہے اور قیامت تک قاصر رہے گی۔فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا [5] پھر یہ 'کتابِ ہدایت' روزِ اوّل سے محفوظ و مصئون ہے۔ اس میں آج تک کسی ایک نقطے اور کسی ایک شوشے تک کی تحریف نہیں ہوئی اور نہ ہی کبھی ہو سکتی ہے۔ اس کی حفاظت وصیانت کا ذمہ خود پروردگارِ عالم نے لے رکھا ہے۔إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ [6] اس سے بڑھ کر یہ کہ اس 'نسخۂ کیمیا' کو دنیا کے سامنے لانے والی شخصیت ایک اُمی کی شخصیت تھی جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا۔ جس نے کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا تھا، اس نے سب کے سامنے علم و حکمت اور موعظت و معرفت کا وہ عظیم الشان دفتر پیش کر دیا جس نے دل و دماغ بدل ڈال، ذہنیتیں بدل ڈالیں، رواج بدل ڈالے، رسوم بدل ڈالیں، افراد بدل ڈالے، اقوام بدل ڈالیں، تمدّن بدل ڈالے اور تہذیبیں بدل ڈالیں، جس نے عرب کے ریگستانوں میں رہنے والے خانہ بدوش شتربانوں کو اصولِ جہانبانی سکھائے اور وقت کے قیصر و کسریٰ کے تخت پر بٹھا دیا۔ جس نے درماندگانِ عقل و خرد کو کائنات کے ذرّے ذرّے کی حقیقت سے آشنا کر دیا۔

شقِّ قمر:

کفارِ مکہ نے ایک بار رات کے وقت مقامِ منیٰ میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ سے معجزہ طلب کیا تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر دکھایا۔ ایک ٹکڑا کوہِ حرا کے اس طرف نظر آیا اور دوسرا اُس طرف [7]۔ یہ دیکھ کر کفارِ مکہ نے کہا کہ محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ بعض کہنے لگے کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو تم دنیا پر تو وہ جادو نہیں کر سکتے۔ چنانچہ دیگر مقامات سے آئے ہوئے مسافروں سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے بھی یہی مشاہدہ بیان کر دیا [8]۔

ستون کا رونا:

مسجدِ نبوی میں منبر تیار ہونے سے قبل حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ مسجد میں کھجور کے تنے کے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب منبر تیار ہوا تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے منبر پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا تو اچانک اس ستون سے زار و قطار رونے کی آواز آئی۔ تمام حاضرینِ مسجد نے اس کے رونے کی آواز سنی۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ منبر سے اتر کر اس ستون کے پاس گئے اور سینے سے لگا کر اسے تسلی دی تو اس کے رونے کی آواز بند ہو گئی۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے صحابہؓ سے فرمایا۔ "اس کے رونے کا سبب یہ تھا کہ یہ پہلے خدا کا ذکر سنا کرتا تھا۔" [9]

---

[5] لیکن اگر تم ایسا نہ کر سکو اور تم ہرگز نہیں کر سکو گے۔ (البقرہ:۲۴)
[6] بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہے جو ہم نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں (الحجر:۹)
[7] البخاری و مسلم عن انس بن مالکؓ۔
[8] مسند ابی داؤد للطیالسی والبیہقی عن عبد اللہ بن مسعودؓ۔
[9] البخاری عن جابرؓ بن عبد اللہ

کھجوروں کے ڈھیر کا بڑھ جانا:

ایک دفعہ حضرت جابرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور ﷺ میرے والد کے ذمے یہودیوں کا قرض تھا اور وہ خود فوت ہو گئے ہیں۔ میرے پاس سوائے کھجوروں کے اور کچھ نہیں ہے اور صرف کھجوروں سے میں کئی برس تک قرض ادا نہیں کر سکتا۔ آپ میرے نخلستان میں تشریف لے چلیں تا کہ آپ ﷺ کی تعظیم سے قرض خواہ مجھ پر سختی نہ کریں۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ تشریف لے گئے اور کھجوروں کے ڈھیر کے ارد گرد چکر لگا کر دعا کی اور وہیں بیٹھ کر فرمایا 'قرض خواہ اپنا اپنا قرض لیتے جائیں۔'' آپ کی دعا کی برکت سے ان کھجوروں کے ڈھیر سے سارا قرض ادا ہو گیا اور کھجوروں کا ایک بڑا ڈھیر پھر بھی باقی بچ رہا۔[10]

انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہنا:

صلح حدیبیہ کے روز صحابہ کرامؓ کو سخت پیاس لگی۔ حضور ﷺ کے سامنے چمڑے کے ایک برتن میں کچھ پانی تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے وضو کرنا شروع کیا تو تمام صحابہؓ آپ ﷺ کی طرف تیزی سے بڑھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ''کیا بات ہے؟'' عرض کرنے لگے۔ ''ہماری ضروریات کے لئے صرف یہی پانی تھا۔'' آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈال دیا اور آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے کی طرح پانی جاری ہو گیا۔ ڈیڑھ ہزار کے قریب صحابہؓ نے اس پانی سے وضو کیا اور سیر ہو کر پانی بھی پیا۔[11]

نام بنام مقتولینِ بدر کی خبر:

معرکہ بدر سے کچھ دیر قبل حضور ﷺ میدانِ بدر میں صحابہؓ کو ساتھ لے گئے اور فرمایا۔ ''یہاں فلاں کافر ہلاک ہو گا اور وہاں فلاں مشرک مارا جائے گا اور قریش کے سردار ابو جہل کی قتل گاہ یہ ہے۔'' صحابہؓ کے قلیل اور کم مسلح لشکر کے لئے یہ پیشین گوئی بڑے اطمینان کا سبب بنی اور انہوں نے جنگ کے بعد دیکھا کہ حضور ﷺ نے جس مقتول کے لئے جو جگہ متعین فرمائی تھی وہ وہیں ڈھیر تھا۔[12]

سلطنتِ کسریٰ کی تباہی:

جب آنحضرت ﷺ نے دعوتِ اسلام کے لئے ایران کے شہنشاہ کسریٰ کے نام خط بھیجا تو اس نے وہ خط پھاڑ کر پھینک دیا۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے بد دعا فرمائی۔ ''خدایا! اس کے بھی پرزے پرزے اڑ جائیں۔''' چنانچہ اسی بد دعا کے نتیجہ میں وہ بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوا۔ آخر کار دورِ فاروقی میں اس کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔[13]

---

[10] البخاری عن جابرؓ بن عبد اللہ
[11] صحیح البخاری
[12] الصحیح المسلم۔ غزوہ بدر
[13] الصحیح البخاری۔ کتاب الجہاد

یہ چند معجزاتِ نبوی 'مُشتے از خروارے' کے طور پر ذکر کئے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پوری حیاتِ مبارک معجزات سے عبارت

ہے۔ ے

حسن یوسفؑ، دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری[14]

---

[14] تیرے پاس حسن یوسف ہے، دم عیسیٰ ہے اور ید بیضا ہے۔ دوسرے خوبروؤں کے پاس جو کچھ بھی ہے تجھے حاصل ہے۔

ماہنامہ محدث لاہور

طاہرؔ قریشی

کمالِ عبدیّت

پیکرِ لازوال عبدیت	آپ ہی ہیں کمالِ عبدیّت
آپ ہی کے ظہور سے قائم	آبروئے جمالِ عبدیّت
آپ کے دم سے بن گئی ہے گہر	بے حقیقت سفالِ عبدیّت
ہو گئی آپ کے توسل سے	عرش پیما، جمالِ عبدیّت
بن گئے آپ عرش کی زینت	اللہ اللہ! کمالِ عبدیت
تربیت کی خدا نے کچھ ایسی	بن گئے آپ حالِ عبدیّت
آپ ہی نے اسے سنبھال لیا	ہو رہی تھی نڈھال، عبدیّت
بن کے رحمت طاہوئی ہم کو	آپ ہی کی بے مثال عبدیّت
آپ ہی تو ہیں سرورِ کونین	ہاں بفیضِ جال عبدیت
آپ ہی ہیں فقط خدا کی قسم	منتہائے کمالِ عبدیّت
ہوتا شامل نہ آپ کا جو کرم	تھا دگر گوں مآلِ عبدیّت
آپ کے فیضِ خلق سے طاہرؔ	
ہو گئی خوش خصال عبدیّت	

عنایت اللہ وارثی

رسولِ مقبول ﷺ ایک مقنّن کی حیثیت سے

آنحضرت ﷺ کی سیرت بیان کرتے وقت آج کل آپ ﷺ کو مختلف حیثیتوں میں علیحدہ علیحدہ پیش کرنے کا رواج ہے۔ ان میں سے آپ ﷺ کی 'قانون ساز' ہونے کی حیثیت اہم ترین ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ریاست و سیاست کے تین شعبوں مقنّنہ، عدلیہ اور انتظامیہ میں بنیادی اہمیت مقننہ کو حاصل ہے کیونکہ انتظامی اصلاحات اور عدالتی انصاف کا پہلا مرحلہ متوازن قانون سازی ہی ہے۔ دوسرا اس وجہ سے کہ یہ مسئلہ شروع ہی سے معرکۃ الآراء بنا ہوا ہے کہ خود سنت کو قرآن سے کیا تعلق حاصل ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیلات جس قدر نازک ہیں اسی قدر موجودہ دور میں ان کے بارے میں ذہنوں کی صفائی کی ضرورت ہے تاکہ بدلے ہوئے حالات میں بھی شریعت کو اس کے مالک کی مرضی کے مطابق اپنایا یا نافذ کیا جاسکے۔ یہ بھی واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ حیثیت اہم ترین ہونے کے ساتھ ساتھ جامع ترین بھی ہے کیونکہ اسلام انسانی زندگی کو ایک وحدت قرار دے کر اس کا مکمل ضابطۂ حیات ٹھہرتا ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ کی قانون سازی بھی اس مکمل وحدت کے لئے ہے۔ اس موضوع کے متذکرۃ الصدر دو پہلوؤں میں سے پہلے کے بعض گوشے ذیل میں اجاگر کئے گئے ہیں جبکہ دوسرے پر کچھ بحث رسول مقبول ﷺ نمبر (حصہ اول) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ (ادارہ)

آنچہ مے گوئی کہ آں بہتر زحسن
یارِ من ایں دارد و آں نیز ھم

قانون کی اصل غرض و غایت معاشرے میں امن و امان کا قیام اور ہر شخص کے ہر جائز حق کی حفظ و نگداشت پہلے حصہ کا زیادہ تعلق ضابطہ فوجداری سے اور دوسرے کا دیوانی سے۔ اسے عدلیہ اور انتظامیہ کے دو شعبوں پر بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ہر وہ قانون جو اس غرض کو پورا کرے گا اور جس قدر زیادہ اچھی صورت میں پورا کرے گا اسی قدر وہ قانون قابلِ اعتماد، زیادہ قابلِ تعریف، زیادہ مقبول اور زیادہ مفید ہو گا۔ اور پھر اس قانون کو پیش کرنے والا بھی اسی قدر زیادہ محسنِ انسانیت اور زیادہ سے زیادہ تحسین آفرین کا مستحق ٹھہرے گا۔

محسنِ عالم حضرت محمد ﷺ کی مقدس شخصیت کو ایک مقنّن کی حیثیت سے دیکھنے کے لئے آپ کے پیش کردہ قانون اور قانون کے نتائج کو دیکھنا بالعموم ضروری ہے اور بالخصوص ان گہری بنیادوں پر بھی غور کرنا ضروری ہو گا جو ان مشہور اور عام فہم نتائج اور تاریخی حقائق کے نہایت لطیف، دُوررس فطری وجوہ و اسالیب اور محرکات ہیں جن وجوہ و اسالیب اور محرکات نے اس قانون کو قابلِ عمل، سہل القبول اور مقبول عام بنایا۔ کیوں کہ کوئی قانون بہتر سے بہتر کیوں نہ ہو جب تک اُس پر عمل نہ ہو بے کار محض ہوتا ہے۔ اور اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اسلامی قانون کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ یہ رواج و نفاذ کی خود ایک زندہ قوّت اور تحریک ہے۔

جہاں تک قانون کی تربیت کا تعلق ہے یہ قانون خالقِ کائنات کا بنایا ہوا ہے۔ مخلوق کے کسی فرد کا اس میں دخل نہیں۔ خلیفۃ اللہ حضرت آدم علیہ السلام سے چل کر آج تک ہر پیغمبر نے یہی وضاحت کی ہے۔ خدا ہی کی حاکمیت کو منوایا ہے اور خدا ہی کا قانون پیش کیا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ (سورہ نساء رکوع ۹)

''ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اذنِ خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اور دنیا کے سیاسی حکمرانوں کی حکومت میں یہی سب سے بڑا مابہ الامتیاز ہے کہ جہاں سیاسی حکمرانوں نے عوام کو اپنے زیر فرمان رکھنے اور انہیں اپنی غلامی کا طوق پہنانے کی کوشش کی ہے وہاں انبیاءؑ کی مقدس جماعت نے عوام کو اپنے ہم جنس بندوں کی غلامی سے نجات دے کر خدا کا بندہ بنانے کی مہم چلائی ہے جس کی بندگی اور غلامی سے کسی کو عار و استنکار نہیں ہو سکتا۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ. وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ط اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آل عمران)

کسی انسان کا یہ کام نہیں کہ اللہ تو اس کو کتاب اور کم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہے گا کہ سچے اللہ والے بنو جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضا ہے جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔ وہ تم سے ہر گز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں یا پیغمبروں کو اپنا رب بنالو کیا ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے جب کہ تم مسلم ہو۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (نساء:۴۴)

مسیح اس بات کو عار نہیں سمجھے گا کہ وہ اللہ کا ایک بندہ ہو اور نہ مقرب ترین فرشتے اس کو عار سمجھتے ہیں۔

اس مقدس دعوت میں یہ نفسیاتی تحریک بنیادی حیثیت سے شامل ہے کہ وہ انسان جو اپنے ہم جنسوں کی غلامی میں زندگی بسر کرنا قطعاً پسند نہیں کرتا اسے خدا کے ترتیب دیئے ہوئے ایک ایسے قانون کی سرپرستی کا آرام دہ سایہ نصیب ہو گیا جو لم یلد ولم یولد کا بتایا ہوا ہے جس میں کسی کی طرفداری کا شائبہ تک نہیں۔ قانون بنانے والے سے اپنی رعایا کی زندگی کا کوئی گوشہ پوشیدہ نہیں، کوئی تقاضا نظر سے اوجھل نہیں کسی تقاضے کا پورا کرنا اسے مشکل نہیں۔

قانونی پابندی کی مشکل کا حل:

قانون کوئی بھی ہو، آخر پابندی کا تقاضا کرتا ہے اور پابندی بہر حال ایک ناگوار حقیقت ہے۔ لیکن خدا کی بارگاہ وہ بارگاہ یا پناہ گاہ ہے جہاں اللہ کے بندوں نے یہی التجا پیش کی ہے کہ تیری بے نیاز مشفقانہ تادیب میں بھی ہماری بھلائی ہی بھلائی ہے بار الٰہا! ہم کو اپنے ہم جنسوں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑ!

مسلّط مکن چو مغنے بر سرم | ز دستِ تو بہ گر عقوبت برم

بہ گیتی نہ باشد بتر زیں بدے　　　جفا بردن از دستِ ہم چوں خودے

علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں:

آدم از بے خردے بندگیٔ آدم کرو　　　گوہرے داشت دے نذر قباد و جم کرو

یعنی از خوے غلامی ز سگاں خوار تر است　　　من ندیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد

اس کے مقابلہ میں خدا کی وہ بندگی اور خدا کے قانون کی وہ پابندی جو اس کا بندہ رضاکارانہ قبول کرتا ہے اور جس پابندی میں قبول و اذعان کی فطری کشش موجود ہوتی ہے وہ دل تنگی کا سامان نہیں ہوتی بلکہ عین راحت ہوتی ہے اور سکون و اطمینان کا سامان بن جاتی ہے یہاں تک کہ اس کا گرفتار گرفتاری پر نہیں آزاری میں ضائع کئے ہوئے وقت پر پچھتاتا ہے۔

نالہ از بہر رہائی نکند مرغِ اسیر
خورد افسوسِ زمانے کہ گرفتار نہ بود

مسلماں کی آزادی کے معنی یہی ہیں کہ اسے اس پابندی سے روکنے والی کوئی قوت راہ میں حائل نہ رہ جائے۔

خلاص حافظ ازاں زلفِ تابدار مباد
کہ بستگانِ کمندِ تو رستگار انہند

دیگر بے شمار ایسے فطری محرکات میں سے جو رسول مقبول ﷺ کے پیش کردہ قانون کی پابندی از خود قبول کرنے کے لئے انسان کو آمادہ کرتے ہیں ایک یہ مذکورہ عقیدہ ہے کہ یہ خالقِ کائنات کا قانون ہے اسے قبول کرنے میں کسی ننگ و عار کا شائبہ تک نہیں بلکہ اس کی پابندی وہ پابندی ہے جو ہر غلامی سے آزاد کر دیتی ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(۲) دوسری امتیازی خوبی اس میں یہ ہے کہ دنیا کے تمام نئے اور پرانے قوانین کے مقابلہ میں اس قانون کا پیش کرنے والا (ﷺ) خود بھی اپنے پیش کردہ قانون کا بالکل اسی طرح پابند ہے جس طرح ایک عام شہری۔ بلکہ پہلا پابند خود ہے اور بعد میں یہ پابندی کسی دوسرے تک پہنچتی ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (بقرہ۔۱۴۰)

رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور جو لوگ اس رسول کو ماننے والے ہیں انہوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کر لیا ہے یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں۔

اسلامی آئین اور عوامی تحریک:

عوام کے لئے اس قانون کو قبول کرنے میں یہ صورتِ حال ایک ایسی فطری تحریک اور بوئے جنسیت کی ایسی نفسیاتی تسکین کا سامان بن جاتی ہے کہ ہر خاص وعام اس خوشگوار پابندی کے لئے مجبور نہیں بے تاب ہو جاتا ہے۔

بائیبل کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لاوی خاندان (نسلِ ہارونؑ) کو کس قدر قانونی تحفظات حاصل تھے بلکہ بے شمار مراعات ملی ہوئی تھیں جن میں عوام کا کوئی حصہ نہ تھا۔ سوختنی قربانی صرف اسی خاندان کا حق تھا۔ دنیا کا سب سے بڑا اور پرانا مقنن "منو" جس نے ہندو جاتی کے لئے سمرتی ترتیب دی۔ اسے پڑھ کر دیکھئے کہ اس نے پہلے نسل آدم کو چار ورنوں (طبقوں) برہمن، کشتری، ویش اور شودر پر تقسیم کر کے ایک نہ ختم ہونے والی بے انصافی کی پائیدار بنیاد رکھ دی اور ہر طبقہ کے علیحدہ علیحدہ حقوق و فرائض مقرر کئے سب سے اونچے طبقہ برہمن کو قدم قدم پر تحفظات اور مراعات سے نوازا۔ افلاطون کے فلسفہ تک دیکھ جاؤ طبقاتی امتیازات قدم قدم پر نظر آئیں گے۔

رسول مقبول ﷺ نے اپنے پیش کردہ قانون کے اجرا و نفاذ میں جو طریقِ عمل اختیار فرمایا وہ یہ ہے کہ قانون کے سامنے ہر چھوٹا بڑا یکساں تھا۔ یہاں تک کہ خود اپنی ذات بھی مستثنےٰ نہ تھی۔ بلکہ انا اول المسلمین کہہ کر آپ نے اپنے آپ کو سب سے پہلا قانون کا پابند عملاً ثابت کر دیا۔ اور قانون کے احترام کی بے نظیر مثال قائم کر دی۔

قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوتی ہے، حضرت اسامہؓ بن زیدؓ جن سے آنحضرت ﷺ نہایت محبت رکھتے تھے، لوگوں نے ان کو سفارشی بنا کر خدمتِ نبوی ﷺ میں بھیجا۔ آپ نے فرمایا اسامہؓ! کیا تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو۔ پھر آپ نے لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا "تم سے پہلی امتیں اسی لئے تباہ و برباد ہو گئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو تسامح کرتے اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے۔ خدا کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔"

مرض الموت میں آپ ﷺ نے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ میر ذمہ اگر کسی شخص کا کچھ قرضہ آتا ہو یا کسی جان ومال و آبرو کو کوئی صدمہ پہنچا ہو تو میری جان ومال و آبرو حاضر ہے۔ ایک صحابیؓ نے کہا کہ جنگِ بدر کے موقع پر صفیں سیدھی کراتے ہوئے آپ ﷺ نے مجھے تیر کی لکڑی سے چوکا دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا بدلہ لے سکتے ہو! اسؓ نے کہا اس وقت میرا بدن ننگا تھا۔ آپ ﷺ نے کُرتہ اتار دیا لیکن صحابیؓ مہر نبوت کو بوسہ دے کر عذر خواہ ہوا اور پیچھے ہٹ گیا۔

اسی فطری تعلیم اور عملی تربیت کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کے جانشین جو اس نظامِ حکومت میں قوم کے سربراہ بنتے رہے اپنی ماتحت عدالتوں اور اپنے مقرر کئے ہوئے ججوں کے سامنے مدعا علیہ کی حیثیت سے اپنے مدعیوں اور مستغیثوں کے برابر مجرموں کے کٹہروں میں کھڑے ہوتے رہے۔ تاریخ کے صفحات اس قسم کے واقعات سے پُر ہیں۔

قانون بھی خالقِ کائنات کا بنایا ہوا اور اس کے اجرا و نفاذ کا یہ امتیازی طرزِ عمل، اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ اسی دور میں دنیا نے وہ امن و اطمینان حاصل

کیا، جس کی نظیر انسانی تاریخ میں کسی دوسری جگہ نہیں ملتی۔

(۳) تیسری امتیازی خوبی اس قانون اور مقنّن میں یہ ہے کہ اس نے ایک معیّن روزِ جزا کا عقیدہ دیا جس دن تمام پوشیدہ سے پوشیدہ جرائم کھُل کر سامنے آجائیں گے اور دنیا میں ایک دوسرے کو دیئے ہوئے سارے دھوکے مغالطے نکل جائیں گے۔ اس عقیدے کو واضح کرنے میں رسول مقبول ﷺ کے طرزِ عمل کا ایک واقعہ کافی ہے۔

ام سلمیٰؓ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے حجرہ کے دروازہ کے قریب لوگوں کو جھگڑتے سنا تو آپ ﷺ باہر تشریف لے آئے اور فرمایا۔

انما انا بشر وانه یاتینی الخصم فلعل بعضهم ألحن بحجته من بعض فأحسبه انه صادق فقضیته بحق مسلم فانما هی قطعة من النار فلیحملها او یذرها

میرے پاس مقدمہ آتا ہے۔ مدعی اپنی چرب زبانی سے دعویٰ ثابت کر دیتا ہے حالانکہ حق دوسری جانب ہوتا ہے، میں اس بیان کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ نافذ کرتا ہوں۔ مگر وہ یہ سمجھ لے کہ ایک مسلمان کا مال ناجائز طریقہ سے لینا آگ کو لینا ہے۔ اب وہ آزاد ہے اسے قبول کرے یا چھوڑ دے۔

روزِ جزاء کی جواب دہی کا ذمہ دارانہ تصوّر اس سے زیادہ کیا دلایا جاسکتا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اس دن کے فیصلے کے سامنے اپنے فیصلے کو بھی بے حقیقت قرار دے دیا۔ یہ واقعہ ایک طرف آپ کی بے نفسی کی انتہا ہے اور دوسری طرف قانون الٰہی کی پابندی کا وہ ہمہ گیر اثر پیدا کرتا ہے جس سے زیادہ اثر پیدا کرنا ممکن نہیں۔ قرآن مجید کے الفاظ میں سنیئے:

ما کنت بدعا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم

میں انوکھا رسول نہیں ہوں میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا۔

آپ ﷺ کے اس طرزِ عمل نے اسلام قبول کرنے والوں کے ضمیر کو اس حد تک بیدار کر دیا اور آخرت کے عقیدے نے یہ بیداری اس مقام تک پہنچادی کہ لوگ قانون کی پابندی ہی میں دنیوی اور اُخروی راحت یقین کرنے لگے۔ ہر مرد وعورت نے اس پابندی ہی کو ذریعۂ نجات یقین کر لیا۔ اور یہ یقین معاشری اور معاشی زندگی کے اطمینان اور امن کا مستقل سرمایہ بن گیا۔ اس سلسلہ میں ذیل کے دو واقعات بطور شہادت کافی ہوں گے۔

بریدہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا۔ ماعز بن مالک نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے پاک کر دیجئے؟ آپ نے فرمایا: "تیرا برا ہو لوٹ جا اور اللہ کے حضور توبہ واستغفار کر لے!" راوی کہتا ہے وہ تھوڑی دور تک واپس گئے پھر لوٹ آئے اور پھر یہی کہا کہ "اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے پاک کر دیجئے! نبی ﷺ نے پھر وہی جواب دیا۔ تین بار ایسا ہی ہوا چوتھی بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں تجھے کس چیز سے پاک کر دوں؟ وہ بولے زنا سے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا یہ شخص پاگل تو نہیں؟ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ وہ پاگل نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ ایک شخص نے اُٹھ کر ماعز کے منہ کی بُو سونگھی تو اسے شراب کی بو نہیں ملی۔ آپ ﷺ نے پھر ان سے پوچھا کیا تم نے زنا کیا ہے؟ انہوں نے کہا "ہاں" اس پر آپ ﷺ نے حکم صادر فرمایا اور ان کو سنگسار کر دیا گیا۔

اس واقعہ کو دو تین دن گزرے ہوں گے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے فرمایا "ماعز بن مالک کے لئے مغفرت کی دعا کرو اس نے ایسی توبہ کی ہے جو اگر ایک پوری قوم کے درمیان تقسیم کر دی جائے تو ان سب کے لئے کافی ہو۔"

پھر آپ ﷺ کے پاس قبیلہ ارذ کے بطن غامد کی ایک عورت آئی اور اس نے کہا: "اے اللہ کے رسول مجھے پاک کر دیجئے!" آپ ﷺ نے فرمایا "تیرا برا ہو لوٹ جا، اور اللہ کے حضور ﷺ توبہ و استغفار کر لے۔" وہ بولی "آپ مجھے ماعز بن مالک کی طرح لوٹانا چاہتے ہیں؟ یہ زنا سے قرار پایا ہوا حمل ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو (زنا سے) حاملہ ہے؟ اس نے کہا۔ "ہاں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وضع حمل تک انتظار کر۔" راوی کہتا ہے کہ پھر آپ ﷺ نے اس عورت کو بچہ جننے تک کے عرصہ کے لئے ایک انصاری کی نگرانی میں دے دیا کچھ عرصہ بعد اس انصاری نے نبی ﷺ کے پاس آکر اطلاع دی کہ غامدی عورت بچہ جن چکی ہے آپ نے فرمایا۔ "مگر ہم ایسا نہیں کریں گے کہ اسے سنگسار کر دیں اور اس کے شیر خوار بچہ کو اکیلا چھوڑ دیں۔ کوئی اسے دودھ پلانے والا نہ ہو۔" آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ "لوٹ جا اسے دودھ پلا جب دودھ چھڑالینا تب آنا۔ جب وہ دودھ چھڑا چکی تو بچہ کو لے کر آپ کے پاس آئی بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا۔ اس نے آپ سے کہا رسولِ خدا ﷺ میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے اور اب یہ کھانا کھانے لگا ہے۔ آپ ﷺ نے بچہ کو کسی مسلمان کے حوالے کر دیا اور اس عورت کے رجم کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ اسے سینہ تک زمین میں گاڑ کر سنگسار کرا دیا۔ خالد بن ولیدؓ نے ایک پتھر مارا جس سے خون کے چھینٹے اڑ کر خالد کے چہرہ پر پڑے۔ انہوں نے عورت کو برے الفاظ سے یاد کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "خالد ذرا سنبھل کر، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے جو اگر ناجائز چنگی وصول کرنے والا بھی کرتا تو اسے بخش دیا جاتا۔" پھر آپ نے س کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اسے دفن کرایا۔ (مسلم۔ نسائی)

اگر کسی قانون اور مقنّن کی خوبی و کامیابی کا تعلق قانون کے قابلِ عمل ہونے اور عوام کے دل میں قانون کا احترام موجود ہونے سے ہے، تو اس لحاظ سے نہ اس قانون کی مثال دنیا میں ملے گی، اور نہ ایسے مقنّن کی۔ ایک مرد اور ایک عورت دو مجرم آپ کے سامنے ہیں۔ یہ مجرم اپنے انجام سے ناواقف قطعاً نہ تھے۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے ان کا صرف اقرارِ جرم نہیں۔ ہر ایک کا اصرار ہے کہ "اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے پاک کیجئے۔" کیا یہ اصرار اس مقدّس جذبہ اور اس قوّت محرکہ کے وجود کی زندہ شہادت نہیں۔ جس جذبے اور قوت کی حفاظت میں مجرم بطیبِ خاطر جان دے دینا ضروری سمجھتا ہے لیکن قانون کے احترام میں سرِ مو فرق آنا پسند نہیں کرتا۔ مقنن ﷺ (شارع) رحم و عفو کے سارے جذبات کے باوجود حد جاری کرتا ہے اور مجرم اس شان سے قبول کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ پھر یاد کر لیجئے کہ کوئی اچھے سے اچھا قانون اس وقت تک مفید نہیں ہو سکتا جب تک اس کا احترام نہ ہو۔ کیا دنیا میں کسی قانون کے احترام کی ایسی مثال موجود ہے؟ اور کوئی ایسا مقنّن تاریخ انسانی میں نظر آتا ہے؟

اس قانون کی غرض اور اس مقنّنِ اعظمؐ کا مقصد صرف قیام امن ہے۔ اس سلسلہ میں صرف ایک گزارش کافی ہو گی۔

عدلیہ حقوق و فرائض کا فیصلہ کرتی ہے۔ قانون کے اس شعبہ کا تعلق معاشرے کے ساتھ بالواسطہ ہے۔ البتہ انتظامیہ کا تعلق انسانی معاشرے کے امن و امان سے بلا واسطہ اور قریب تر ہوتا ہے۔ ضابطہ فوجداری کی آخری دفعہ اور جرائم میں سب سے بڑا جرم قتل ہے۔ جس میں انتقام در انتقام کا

سلسلہ تمام معاشرے کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک آگ لگا دے سکتا ہے اور لا دیتا ہے۔ دنیا کے ہر قانون نے اس جرم کی سزا موت رکھی ہوئی ہے۔ ہمارے مروجہ قانون میں فوجداری جرائم میں نہایت کم درجہ جرائم سے اوپر کوئی جرم بھی قابلِ راضی نامہ نہیں۔ فوجداری میں مدعی حکومت ہوتی ہے فوجداری عدالتیں فریقین میں راضی نامہ کرانے کی مجاز نہیں۔ سوائے اس کے کوئی صورت نہیں ہوتی کہ فریقین آپس میں راضی ہو کر غلط بیانات دیں شہادت تبدیل کریں اور عدالت کو مجرم کی بریّت کے لئے گنجائش پیدا ہو جائے۔ لیکن اسلام نے فوجداری کے آخری جرم قتل میں بھی راضی نام کی گنجائش رکھی ہوئی ہے۔ مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے کہ قصاص میں دیّت وصول کریں یا معاف کر دیں۔

فَمَنْ عُفِيَ مِنْ اَخِيْهِ شيءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ

اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کے لئے تیار ہو تو معروف طریقے کے مطابق عمل ہونا چاہئے۔

مجرم کو مقتول کے ورثاء کے سپرد کر دینے میں ایک طرف یہ فائدہ ہے کہ ارادۂ قتل کرنے والا مجرم اپنا مستقبل خوب سوچ سکتا ہے اور ایسے خطرناک اور ظالمانہ فعل سے پہلے اسے سو بار سوچنا پڑے گا۔ دوسرے ورثاء معانی کا اختیار استعمال کر کے قتل در قتل کے انتقامی سلسلہ سے معاشرے کو بچا سکتے ہیں اور خود بچ سکتے ہیں۔ قانون کی اصل غرض وغایت جو قیام امن ہے معاشرے کو صرف اسی ایک صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

آدمیّت احترام آدمی:

اسلامی قانون اور اسلام۔ مقنن کی سب سے بڑی امتیازی شان یہ ہے کہ اس نے انسانی جان کے احترام کا وہ معیار قائم کیا ہے۔ جس کی مثال دنیا کے کسی قانون میں نہیں ملتی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ..... بنیادی قانون کا اعلان کر کے "خوں شاہ رنگین تر از معمار نیست" کا یقین دلایا اور پھر فرمایا کہ ایک قتل ناحق ساری دنیا کو قتل کر دینے کے برابر ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِيْ الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا

جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوائے کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔

مومن کو ہتھیار سے اشارہ کرنا بھی انسان کو جہنمی بنا دیتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے کعبہ کو مخاطب کر کے مجمع عام میں فرمایا:

ما اطيبك والطيب ريحك. ما اعظمك واعظم حرمتك والذى نفس محمد بيده لحرمة المؤمن اعظم عند الله حرمة منك ماله ودمه وان يظن به خيراً (بخاری)

تو کیسا سرسبز وشاداب اور تیری خوشبو کیسی خوش ہے۔ تو کیسا عظیم ہے اور تیری امت کس قدر بلند ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ یقیناً مومن کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے بڑھ کر عظیم ہے اسی طرح اس کا مال اور اس کا خون۔ ضروری ہے کہ نیک ظن رکھا جائے۔

آپ کے اس ارشاد نے انسانی جان کے اتلاف کا وہ خاص چور دروازہ بھی ہمیشہ کے لئے قطعاً بند کر دیا جو عقیدت کے پردوں کے پیچھے انسانی زندگی کے ہر نیک و بد دور میں برابر کھلا رہا ہے۔ اور لوگ اپنے اپنے زعم کے مطابق مقدس مقامات پر دشمن تو رہے ایک طرف اپنے فرزندوں تک کو ذبح کرتے رہے ہیں اور لعنت و نفریں کے بجائے اس درندگی پر تحسین و آفرین کے مستحق ٹھہرتے رہے ہیں۔

دنیا کے ہر قانون میں قانون کے تحت انتظامیہ کے کارکن کسی قتل کے الزام میں ایک شخص کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کر دیتے ہیں۔ عدالت اسے اس الزام سے بری قرار دے دیتی ہے۔ اس کے بعد انتظامیہ نے کبھی اصل قاتل کو تلاش نہیں کیا۔ کیا مقتول بھی اس فیصلہ کے بعد زندہ ہو گیا ہے؟ اور قتل قتل نہیں رہا؟؟ اسلام کا قانون ایسے ناقص انصاف کا قائل نہیں یہاں مجرم خود پیش ہوتا ہے اور پھر سب سے آخری عدالت کا فیصلہ اور فیصلے کا آخری دن بہر حال باقی ہے۔ یہ وہ نظام ہے جو ان فطری حقائق کی بنیاد پر قائم ہوا ہے اور قائم رہنا اس کے لئے مقدّر ہو چکا ہے۔

ہزاروں ہزار درود و سلام ہوں اس محسنِ انسانیت کی مقدس ذات پر جس نے انسانی جان کی حفاظت اور امن امان کے قیام کے لئے صرف ایک بے مثال قانون ہی پیش نہیں کیا بلکہ اس مثالی قانون کے اجراء و نفاذ کے سلسلہ میں وہ وہ سہولتیں پیدا کیں، تحریکیں اُٹھائیں اور اپنی پاک زندگی کے ایسے ایسے عملی نمونے پیش کئے جن سے یہ قانون خود بخود نفاذ و اجراء کی ایک فعال قوت بن گیا۔ ماننے والوں نے مجبور ہو کر نہیں مانا بلکہ مقنن کی موجودگی اور رہنمائی ہی میں اپنے نہ ماننے پر متاسّف ہوئے اور دورِ انکار پر پچھتائے۔ (رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ)

اَللّٰھُمَّ صل علیٰ مُحمّد وعلیٰ اٰل مُحمّد صلاۃ تامًا وبارك وسلم

عبد الرحمٰن عاجزؔ

رہِ خُلد ہے راہِ کوئے محمد ﷺ

ہر اک لب پہ ہے گفتگوئے محمد ﷺ	ہر اک دل میں ہے آرزوئے محمد ﷺ
فرشتوں میں پائی نہ انساں میں دیکھی	جہاں سے نرالی ہے خوئے محمد ﷺ
گرفتار جن کی ہے جانِ دو عالم	وہ ہیں گیسوئے مشکبوئے محمد ﷺ
یہ دل چاہتا ہے وہ لب چوم لوں میں	کہ جس لب پہ ہو گفتگوئے محمد ﷺ
برسنے لگی مجھ پہ رحمت خدا کی	چلا جھوم کر جب میں سوئے محمد ﷺ
ہو میدانِ محشر کہ فردوسِ اعلیٰ	رہوں ہر گھڑی روبروئے محمد ﷺ
مسلمان سب کٹ مریں غم نہیں ہے	نہ جائے مگر آبروئے محمد ﷺ
ہو مسکن مرا یاالٰہی! مدینہ	ہو مدفن مرا خاکِ کوئے محمد ﷺ
خدا کی قسم شک نہیں اس میں عاجزؔ	رہِ خلد ہے رہِ کوئے محمد ﷺ

ثریا بتول (ایم۔اے)

رسولِ اکرم ﷺ بحیثیت تاجر

یوں تو نوعِ انسانی کے بلند پایہ طبقوں میں ہزاروں لاکھوں انسان نمایاں ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگیاں اپنے بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے مشعلِ راہ اور نمونہ کے طور پر پیش کی ہیں مگر ان کی طویل فہرست میں سے انبیائے کرام کی سیرت ہی بطورِ خاص عوام الناس کے لئے اسوہ اور بہترین نمونہ ہیں۔ کیونکہ ان کی سیرتیں ہر لحاظ سے بے داغ اور ان کا دامن حسنِ اخلاق و کردار سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ پھر اس گروہ انبیاء میں سے بھی حضرت محمد ﷺ کی سیرت سب سے زیادہ درخشاں اور تاباں ہے۔ جملہ انبیائے کرام اپنی امتوں کو وعظ و نصیحت فرماتے ہیں رہے۔ انہیں عذابِ الٰہی سے ڈراتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب اور انعامات کے حصول کے لئے ترغیب و تحریص دیتے رہے۔ بعض انبیاء نے اپنی امتوں کو ظالم و سفاک بادشاہوں کے پنجہ استبداد سے بھی نجات دلائی۔ مگر ان انبیاء کا دائرہ کار محدود تھا۔ وہ اس وعظ و نصیحت، انداز و تبشیر، ترغیب و تحریص یا بصورتِ بعض فرعونی و نمرودی طاقتوں سے نجات و آزادی سے آگے نہ بڑھ سکی۔ لیکن حضرت محمد ﷺ کی ذات ہمہ صفت موصوف تھی۔ آپ کو تاباں و درخشاں شریعت دے کر اللہ تعالیٰ نے بہت سے اہم مناصب بیک وقت مرحمت فرمادیئے تھے۔ آپ ایک جلیل القدر پیغمبر اور نبی آخر الزمان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نظریاتی فلاحی ریاست کے بانی بھی تھے۔ اس طرح اگر آپ ﷺ مصلحِ اعظم تھے تو ایک بے نظیر سیاستدان بھی۔ قائدِ لشکر تھے تو عظیم فاتح بھی۔ اگر عظیم سربراہِ مملکت تھے تو بے عدیل قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بھی۔ اگر عدیم المثال تاجر تھے تو مہربان شوہر شفیق باپ اور مخلص دوست بھی۔ غرض آپ کی ذاتِ گرامی میں ہر قسم کی خوبیاں جمع ہو گئی تھیں۔ نپولین نے ٹھیک کہا ہے کہ عظماءِ تاریخ میں سے ہر ایک صرف کسی ایک گوشے میں عظیم ہوتا تھا، اور ایک آدھ خوبی کا مالک ہوتا تھا۔ مگر پیغمبرِ اسلام میں انسان عظیم کے تمام خصائص موجود تھے۔ آنحضور ﷺ کی سیرت کو خود اللہ تعالیٰ نے کامل ترین سیرت قرار دیا ہے۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (قلم)

اور بلاشبہ ایک کامل ترین سیرت ہی انسان کے لئے ایک بہترین اسوہ بن سکتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب)

آنحضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ آپ ﷺ، معاشرے کی فلاح و بہبود اور اصلاح و تربیّت کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ آپ ﷺ آزادی کے علمبردار، حریتِ فکر کے نقیب، باعزت زندگی کی طرف بلانے والے داعیٔ اعظم اور اخوت و مساوات کے بانیٔ مبانی تھے۔

انسانی تاریخ کے تاریک ترین دور میں جزیرہ نمائے عرب جیسے غیر مہذب ملک میں پیدا ہوئے۔ جہاں کے مکین خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے جو تہذیب و تمدّن اور شائستگی سے یکسر ناآشنا تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر ان میں معرکہ آرائیاں ہوتیں اور پھر مدتہائے دراز تک ان کا سلسلہ کہیں ٹوٹنے میں نہ آتا تھا۔ قتل و غارت، مار دھاڑ، لوٹ کھسوٹ ان کی رگ و پے میں خون کی طرح سرایت کر چکا تھا، وہ وحدت و یگانگت کے دشمن، قبائلی

حمیّت وغیرت پر مر مٹنے والے۔ حکومت و تنظیم سے بالکل ناواقف، شجر و حجر، نجوم و قمر اور نام نہاد اصنام کے پجاری، اجڈ اور وحشی، علم و ہنر سے یکسر کورے تھے، زنا قمار بازی وشراب خوری کے قبیل کی ہر برائی ان میں تھی۔ ایسے ماحول اور ایسی فضا میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا آپ نے انہیں بتوں کی پوجا پاٹ سے منع فرمایا۔ توحید اور اخوت و مساوات کی طرف دعوت دی۔ انہیں آزادئ فکر و عمل سے بہرہ مند کیا۔ علم و معرفت اور تہذیب و تمدّن سے آشنا کیا۔ انہیں اتحاد، تنظیم اور وحدت کی لڑی میں پرو دیا اور جسدِ واحد کی طرح متفق و منظم کر دیا۔ جن لوگوں نے آپ کی عوت پر لبیک کہی انہیں فرشتہ خصلت بنا دیا۔ آپ کے متبعین چمنستانِ حق کے وہ گُلِ خوشبو تھے کہ ان ہی نے عظیم ترین راہبر و راہنما، مصلح و سپہ سالار پیدا ہوئے، جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد زمامِ حکومت سنبھالی اور جلد ہی روم و ایران کی عظیم مملکتوں کو زیر و زبر کر کے روئے زمین کے آدھے حصے پر الٰہی حکومت کا پھریرا لہرا دیا۔ انہوں نے علومِ نقلی و عقلی کی مجلسیں اور محفلیں آراستہ کیں۔ جن سے بڑے بڑے مفسرین، محدثین، فقہاء، قاضیوں، فلسفیوں وغیرہ نے جنم لیا۔ اس طرح حضرت محمد ﷺ نے ایک عظیم امت کی تشکیل کی۔

بلاشبہ عظیم شخصیتیں ہی تاریخ ساز ہوتی ہیں کیونکہ تاریخ عظیم کارہائے نمایاں انجام دینے والوں اور صفحہ ہستی پر انمٹ نقوشِ کار کردگی ثبت کرنے والوں کے تذکرے کا ہی نام ہے۔ آپ سے پہلے روم و ایران کا نام تاریخ تھا۔ اور روئے ارضی پر انہی کا سکّہ رواں دواں تھا۔ انہی کی تہذیب و تمدّن، علوم وفنون کا ہر جا چرچا تھا، انہی کا ہر جگہ دبدبہ، رعب اور غلغلہ تھا۔ آپ اُٹھے تو تاریخ کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے نہ صرف روم و ایران کی سطوت و شوکت کو ختم کیا بلکہ تمام اقوامِ عالم پر اپنی بالادستی قائم کر دی۔

اس مختصر سے مقالے میں حضرت محمد ﷺ کی شخصیت کے گوناگوں پہلوؤں میں سے ایک پہلو یعنی ''انسانِ اعظم بحیثیت تاجر'' پر قدرے تفصیل سے بحث کریں گے۔ کیونکہ ہمارے اس مضمون کا مرکزی نقطہ یہی ہے۔ اس پہلو پر گفتگو کرنے کے لئے ہمیں جزیرہ نمائے عرب کے ماحول پر نگاہ ڈالنی ہوگی، جو ایک بالکل بے آب و گیاہ علاقہ ہے۔ جہاں کھیتی باڑی کرنے یا مویشی پالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور چونکہ اس دور میں اہلِ عرب علم وہنر اور فنون سے بھی ناآشنا تھے۔ اس لئے ان کے لئے معاش کے طور پر ایک پیشہ تجارت ہی بہترین قرار پا سکتا تھا۔ ویسے بھی جزیرہ نمائے عرب دنیا کے عین وسط میں ہونے کی بنا پر مختلف مملکوں کے درمیان ایک بہترین مقامِ اتصال تھا۔ اس لئے یہاں کے باشندوں کا عام پیشہ تجارت تھا۔ اور وہ تجارت کے سلسلہ میں دور دراز کے ممالک کی طرف سیاحی کرتے رہتے تھے۔ ان کے تجارتی قافلے ایک جانب تو بحرِ ہند سے لے کر بحیرۂ روم تک اور دوسری جانب جنوبِ عرب میں عمان و یمن سے لے کر شمال میں فلسطین وشام تک چلتے رہتے تھے، اس طرح یہ بڑی بڑی تجارتی شاہراہیں انہی کے قبضہ میں تھیں اور ان کے بڑے بڑے تجارتی کاروان مال واسباب سے لدے ہوئے آتے جاتے رہتے تھے۔ موسم گرما میں ان کے سفر شمال میں شام کی طرف ہوتے اور موسم سرما میں جنوب میں عمان و یمن کی طرف۔ آبادی کا بیشتر حصہ اسی تجارت پر گزر بسر کرتا، اپنا بیشتر سرمایہ تجارتی کاموں میں لگائے رکھتا۔ قافلوں کی واپسی پر منافع آپس میں تقسیم ہوتے۔

یہ تاجر پیشہ لوگ دوسرے باشندوں کی نسبت اور آسودہ تھے۔ ان میں سے قبیلہ قریش کا تجارتی مقام تو بہت بلند تھا، بلکہ وہ عرب کی پوری تجارت پر حاوی تھے جس کی شہادت قرآن کریم خود فراہم کرتا ہے۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ. اٖلٰفِھِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاۗءِ وَالصَّیْفِ (قریش)

(قریش کے خوگر ہونے کی بنا پر۔ یعنی اپنے جاڑے اور گرمی کے سفروں سے خوگر ہونے کی بنا پر)

عصرِ حاضر کے مشہور محقّق ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی فاضل کتاب ''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' میں لکھتے ہیں۔ '' چین و عرب کی تجارت عرب ہی سے ہو کر یورپ جاتی تھی، قریش کا عرب کی تجارت پر حاوی رہنا، مصر و شام، عراق و ایران، یمن و عمان، حبش و سندھ وغیرہ سے انہوں نے جو تجارتی معاہدے (ایلاف) کر رکھے تھے اور ''رحلة الشتاء والصیف'' کے باعث شمال و جنوب کے جس طرح قلابے ملاتے رہتے تھے۔ وہ سب سب جانتے ہیں۔ (ص ۳۷)

حضرت محمد ﷺ (فداہ ابی و امی) نے خانوادۂ قریش میں ہی آنکھیں کھولیں۔ اور اسی تجارتی ماحول میں نشو ونما پائی۔ لہٰذا آپ تجارت جیسے مقدس پیشہ سے الگ کیسے رہ سکتے تھے۔ آپ کے چچا حضرت ابو طالب بھی تاجر تھے اور تجارت کے لئے دور دراز کے سفر اختیار کیا کرتے تھے۔ دادا کی وفات کے بعد انہوں نے آپ کی پرورش کا ذمہ اپنے کندھوں پر اُٹھایا اور آپ کو اپنی اولاد سے بڑھ کر محبوب رکھا۔ اسی محبت کی بنا پر آپ کو اپنے ساتھ ان سفروں پر لے جانے لگے۔ آپ ﷺ پہلی بار بارہ ۱۲ سال دو ماہ کی عمر میں اپنے چچا ابو طالب کی معیّت میں شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اسی سفر میں عیسائی (یا بقولِ بعض یہودی) راہب 'بحیرا' کی آپ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے حضور ﷺ کے پُر نور و پُر جلال چہرے پر علاماتِ نبوت مرتسم دیکھیں اور آپ کو آنے والے نبی کی پیشین گوئی کا مصداق پایا تو حضرت ابو طالب کو تاکید کی کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر عظیم انسان بنے گا۔ لہٰذا اسے شام کے یہودی دشمنوں سے بچایا جائے۔ چنانچہ حضرت ابو طالب نے فی الفور آپ ﷺ کو مکہ واپس بھیج دیا۔

آپ کو تجارت سے بڑی دلچسپی تھی۔ آپ ﷺ اپنے پیارے چچا ابو طالب کے کندھوں کو جو پہلے ہی کثیر العیال تھے مزید گرانبار نہ کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے تجارت کو جاری رکھا۔ آپ اپنے تجارتی معاملات بڑی دیانتداری سے نبھاتے۔ راستبازی اور صدق و دیانت کا بڑا خیال رکھتے۔

کاروبار کی کامیابی اور اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے صدق و دیانتداری کے دو سیدھے سادھے اصول ہیں، بالفاظ دیگر راستبازی اور دیانتداری پر ہی دوکانِ تجارت کا چمکنا ممکن ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت محمد ﷺ جلد ہی اپنے اوصاف کی بنا پر مکہ کے کامیاب ترین تاجر ثابت ہو گئے۔ اور پوری قوم میں آپ ﷺ کا نام 'صادق' اور 'امین' مشہور ہو گیا۔ آپ کی راستبازی اور حسنِ کردار کا سکہ ہر فرد بشر کے دل پر بیٹھ گیا[15] اور مکہ کے بڑے بڑے

---

[15] آپ کی امانت و دیانت کی متعدد مثالیں ہمیں آپ کی سیرتِ مقدسہ میں نظر آتی ہیں۔ مثلاً نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد جب آپ کو اعلانِ توحید واشگاف الفاظ میں سنانے کا حکم ہوا تو آپ کوہِ صفا پر چڑھ گئے اور پوری قوم کو ندا دی۔ جب عوام الناس اکٹھے ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک حملہ آور فوج چلی آ رہی ہے۔ تو کیا مجھ پر اعتماد کرو گے۔'' تمام مجمع بیک زبان پکارا۔ ''کیوں نہیں ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ بولتے پایا ہے۔''

قبیلہ اراش کے ایک شخص کا قصہ بڑا دلچسپ ہے۔ وہ کسی کام کے لئے مکہ آیا۔ اس کے پاس ایک اونٹ تھا۔ ابو جہل نے اس سے اونٹ کا سودا کر لیا۔ مگر قیمت ادا کرنے میں لیت و لعل کی۔ وہ مکہ میں اجنبی تھا۔ اس لئے یکے بعد دیگرے اشرافِ مکہ کی مجلس جمی ہوئی تھی، فوراً وہاں پہنچا۔ اور تمام اہلِ مجلس سے اپیل کی کہ مجھ جیسے بے آسرا مسافر کو کوئی شخص ابو جہل سے اونٹ کی قیمت دلا دے۔ مگر تمام مجلس میں سے کسی کو یہ جرأت نہ ہو سکی۔ آخر ان میں سے ایک شخص ازراہِ تمسخر بولا۔ محمد ﷺ (فداہ ابی و امی) کے پاس جاؤ تمہیں قیمت وصول ہو جائے گی۔ (ان دنوں ابو جہل کی عداوتِ رسول اپنے پورے جوبن پر تھی۔ وہ غریب فی الفور حضور ﷺ کے پاس پہنچا۔ اور ماجرا بیان کر کے مدد کی درخواست کی۔ آپ فوراً اس کے ساتھ چل دیئے ابو جہل کے مکان پر تشریف لائے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابو جہل نے دروازہ کھولا۔ اس شخص کو آپ کے ہمراہ

تاجر اور مالدار یہ خواہش کرنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سرمایہ اپنے ہاتھ میں لے کر ان کے کاروبار چمکائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر تک سائب بن قیس مخزومی کے سرمایہ سے تجارت کرتے رہے۔ بلکہ انھوں نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تاجر امین کا لقب دیا تھا۔

ان دنوں مکہ میں سب سے زیادہ مال دار ایک معزز خاتون خدیجہ بنت خویلد تھیں۔ جو دوبارہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ انہوں نے باپ سے کثیر جائیداد ورثے میں پائی تھی۔ اور اب تمام تر توجہ تجارت کی طرف مبذول کر رکھی تھی۔ انہوں نے حضورِ کریم کی تعریف سنی تو خواہش ظاہر کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا سامانِ تجارت سرزمینِ شام کی طرف لے جائیں اور معاملہ یہ طے ہوا کہ وہ آپ کو دوسرے لوگوں کی نسبت دوگنا منافع دیں گی۔ انہوں نے اپنے غلام میسرہ کو بھی آپ کے ہمراہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت ابو طالب سے مشورہ کرنے کے بعد یہ پیش کش قبول کر لی اور میسرہ کے ہمراہ ۲۳ یا ۲۴ برس کی عمر میں دوسری بار شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اس سفر میں حضرت خدیجہ کو پہلے کی نسبت تگنا چگنا نفع حاصل ہوا۔ ساتھ ہی میسرہ نے آپ کے حُسنِ معاملت اور صداقت و امانت کی چشم دید داستان سنائی تو حضرت خدیجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ اپنی سہیلی یا کنیز نفیسہ کے ہاتھ فی الفور آپ کو شادی کا پیغام بھجوا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے مشورہ کرنے کے بعد بشرح صدر ان کا یہ پیغام قبول فرمایا۔ اس طرح یہ پچیس سالہ نوجوان اپنے سے پندرہ برس بڑی خاتون سے جو پہلے دو دفعہ بیوہ ہو چکیں تھیں، رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گیا۔

نکاح کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنا سال مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔ مگر آپ نے ان کا سارا مال غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کی امداد پر صرف کر دیا اور اپنی معاشِ تجارت کو بر قرار رکھا۔ اسی سے اپنے کنبے کی گزر بسر کرتے۔

اس دورِ جاہلیت کا ایک واقعہ حضرت عبد اللہ بن الحمساء سے منقول ہے، کہ بعثت سے قبل خرید و فروخت کے معاملے میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ کیا کہ آپ یہاں ٹھہریں میں ابھی گھر سے قیمت لے کر آتا ہوں۔ مگر گھر جا کر وہ اپنے وعدے کو بھول گئے اور بات آئی گئی ہو گی۔ تیسرے روز اتفاقاً عبد اللہ کا گزر اسی مقام سے ہوا۔ تو دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ قیام فرما ہیں۔ آپ کو دیکھ کر انہیں اپنا وعدہ یاد آیا تو آپ سے معذرت کی آپ ان سے ناراض ہوئے نہ ڈانٹ ڈپٹ کی، بس اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔ ”عبد اللہ تم نے مجھے بڑی زحمت دی ہیں، میں تین دن سے اسی جگہ کھڑا ہوں۔“ (ابو داؤد)

عرب میں ہر سال جو مشہور تجارتی میلے منعقد ہوتے۔ تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنا سامان تجارت ان میلوں میں لے جایا کرتے آپ کی دیانتداری کی بنا پر آپ کا سامان میلے میں آتے ہی ہاتھوں ہاتھ بک جاتا۔ ایک دفعہ ایک میلے میں آپ بیس اونٹ لائے مگر اسی وقت کسی کام سے باہر جانا پڑ گیا، تو اپنے غلام کو تاکید کر گئے کہ ان اونٹوں میں سے ایک لنگڑا ہے۔ اس کی نصف قیمت وصول کی جائے۔“ فارغ ہو کر آپ واپس تشریف لائے تو اونٹ فروخت ہو چکے تھے۔ غلام سے دریافت فرمایا تو اس نے معذرت کی کہ مجھے خریداروں کو لنگڑے اونٹ کی بابت بتانا یاد نہ رہا۔ اور میں نے اس کی بھی

دیکھ کر اس کا رنگ فق ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کا حق اسے ادا کر دو۔ ابو جہل نے بے چون و چرا فوراً قیمت ادا کر دی۔ بعد میں ابو جہل نے شرکائے مجلس سے اعتراف کیا۔ ”اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا و اس کی آواز سن کر یکایک مجھ پر ناقابلِ بیان رعب طاری ہو گیا۔ ف

پوری قیمت وصول کرلی۔ آپ نے خریداروں کا اتاپتا دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ یمن کی طرف سے آئے تھے۔ آپ ﷺ کو اس واقعہ پر بڑا ملال تھا، فوراً غلام کو ساتھ لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی تلاش میں چل دیئے۔ ایک دن اور ایک رات کی مسافت طے کرنے کے بعد ان کو جالیا۔ اور ان سے پوچھا کہ تم نے یہ اونٹ کہاں سے خریدے ہیں۔ وہ بولے کہ ہمارے مالک نے ہمیں یمن سے میلے میں محمد ﷺ بن عبد اللہ کے تمام اونٹ خریدنے کے لئے بھیجا تھا اور تاکید کی تھی کہ اس کے سوا کسی اور سے کچھ سامان نہ خریدنا۔ ہم وہاں تین دن تک محمد ﷺ کے مال کو تلاش کرتے رہے۔ آخر تین دن کے بعد ان کا مال منڈی میں آیا۔ تو ہم نے اطلاع پاتے ہی خرید لیا، آپ نے فرمایا بھائیو! ان اونٹوں میں سے ایک اونٹ لنگڑا ہے۔ سودا کرتے ہوئے میرے ملازم کو بتانا بھول گیا۔ اب وہ اونٹ مجھے دے دو اور اس کی قیمت واپس لے لو، یا پھر اس کی آدھی قیمت مجھ سے وصول کرلو۔ اتفاق سے انہیں ابھی تک اونٹ کے لنگڑے پن کا علم نہ ہوا تھا، مگر آپ ﷺ نے وہ اونٹ فوراً پہچان لیا اور وہ اونٹ ان سے لے کر اس کی قیمت واپس کر دی۔ بعد میں جب آپ ﷺ نے اعلانِ نبوت فرمایا تو انہوں نے کہا ہم تو پہلے ہی سوچتے تھے کہ ایسا شخص کوئی معمولی آدمی نہیں ہو سکتا۔ فوراً خدمتِ اقدس میں پہنچے اور شرفِ اسلام سے بہرہ مند ہوگئے۔

یہ اسی راستبازی کا اثر تھا کہ لوگ اپنی قیمتی امانتیں بلاکھٹکے آپ کے پاس رکھ جاتے اور جب چاہتے صحیح سلامت واپس لے لیتے۔ اعلانِ نبوت کے بعد بھی آپ کے جانی دشمن اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھا کرتے۔ حتیٰ کہ ہجرت کی رات کو جب کہ اعداءِ اسلام نے ننگی تلواروں کے ساتھ آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو فرمایا۔ تم آج رات میرے بستر پر لیٹ جاؤ، اور کل ہر ایک کی امانتیں واپس کر کے مدینہ آجانا۔"

تجارت کی خاطر آپ نے بصریٰ اور مدینہ کی جانب بھی کئی تجارتی سفر کئے اور انہی سفروں کے درمیان آپ ﷺ قریش کی تجارتی شاہراہوں کے ہر پیچ وخم سے آگاہ ہوگئے۔ خصوصاً مدینہ کی سیاسی اور جغرافیائی حیثیت اچھی طرح سمجھ لی[16]۔

چالیس برس کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصبِ نبوّت سے سرفراز فرمایا اور بتدریج آپ کے کندھوں پر تمام دنیا کی ہدایت ورہبری کا بوجھ ڈال دیا۔ اب آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات کی بنا پر تجارت کو خیر باد کہا۔ اپنے تمام تر قویٰ اور صلاحیتیں اپنے عظیم تر مشن یعنی تحریکِ اسلامی کی تبلیغ پر صرف کر دیں۔ اس نئی تحریک اور نئے دین کی تبلیغ میں تن و من دھن کی بازی لگا دی، آخر تیرہ سال کی زہرہ گداز اور جانگسل کشمکش کے بعد آپ مدینہ منورہ میں ایک فلاحی اسلامی مملکت کی داغ بیل ڈالنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس اسلامی ریاست میں تمدّن کے ہر شعبے میں گوناگوں انقلاب انگیز اور روح پرور اصلاحات نافذ فرمائیں۔ جن کی بنیاد خدا ترسی، ایمانداری توحید و رسالت، راستبازی صدق وامانت اور آخرت میں جوابدہی کے احساس پر رکھی۔ اس طرح دین و دنیا، مذہب وسیاست، معیشت و معاشرت، اخلاق و اعمال حقوق اللہ و حقوق العباد غرض کہ ہر شعبہ زندگی کو رضائے الٰہی کے

---

[16] مدینہ سے واقفیت آپ کے لئے بعد از نبوت مدنی دور میں بڑی اہم ثابت ہوئی، اسی کی بنا پر آپ کو مدینہ جاتے ہی اہل مکہ کو مرعوب کرنے اور فوری دباؤ کی پالیسی بنانے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ دوسری طرف تاجر بن کر کاروانوں میں شریک رہنے کی بناء پر آپ ﷺ قریش کے بڑے بڑے تجارتی ذرائع سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ چنانچہ مدنی دور میں بڑی سوجھ بوجھ اور دُور اندیشی سے طلایہ گردی کی مہمّات اطرافِ عرب میں کامیابی سے بھیجتے رہے۔

تابع کر دیا۔

اس دور میں آنحضور ﷺ نے ایک انقلابی ضابطہ اخلاق مقرر فرمایا یہ ضابطہ ٔ اخلاق اتنا تابندہ و درخشندہ ہے کہ اس کے کسی اصول یا قانون پر کسی کو انگلی اُٹھانے یا حرف گیری کرنے کی مجال نہیں اور اس پر عمل پیرا ہونے سے کسی قوم مالی بحران پیدا نہیں ہو سکتا۔ زراعت یا کسی دوسرے ذریعہ ٔ معاش کی نسبت آپ تجارت کو بہت پسند فرماتے تھے[17]۔

آپ سے ایک بار سوال ہوا کہ کونسی کمائی پاکیزہ ترین ہے؟ فرمایا"اپنے ہاتھوں سے کام کرنا اور ہر حلال و جائز بیع۔" (احمد عن رافع بن خدیج)

"دینی فرائض کی بجا آوری کے بعد سب سے بڑا فرض حلال طریقے سے اپنی معاش حاصل کرتا ہے۔"

تجارت میں حلال اور جائز ذرائع اختیار کرنے پر بڑا زور دیا اور ہر طرح کے ناجائز کاروبار سے منع فرمایا۔ ایک بار ایک شخص کا ذکر کیا جو سفر پر سے آرہا ہو۔ سفر کی وجہ سے گرد و غبار میں اٹا ہوا اور پراگندہ بال ہوں۔ وہ ہاتھ اُٹھا کر بآواز بلند بارگاہ الٰہی سے التجا کرے "اے میرے رب"۔ "اے میرے رب" حالانکہ اس کا کھانا پینا، اوڑھنا بچھونا اور خوراک و لباس سب حرام آمدنی کے ہیں سو اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟" (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

تجارت میں حسنِ معاملہ، صداقت و دیانت اور راستبازی کی ہر دم تاکیدی نصیحت فرماتے رہتے فرمایا"قیامت کے روز تاجر فُجّار کی حیثیت سے اُٹھائے جائیں گے بجز اس تاجر کے جو اپنے معاملات میں خدا ترس رہا۔ لوگوں سے حسنِ سلوک کیا اور ہر معاملہ میں سچائی کا دامن تھامے رکھا۔ (عن عبید بن رفاعہ)

ایک گندم کے ڈھیر کے پاس سے گزرے، اس میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو آپ کی انگلیاں نم آلود ہو گئیں۔ فرمایا۔"اے گندم کے مالک یہ کیا بات ہے؟" عرض کی "یارسول اللہ گندم بارش سے بھیگ گئی تھی۔" یہ سن کر آپ نے فرمایا۔"تو تو نے اس گیلی گندم کو ڈھیر کے اوپر کیوں نہ رکھا تاکہ خریدنے والے اس کو دیکھ سکتے۔ یاد رکھ جس نے دھوکہ فریب سے کام لیا۔ اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔" (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

اس طرح آپ نے ملاوٹ دجل و فریب اور دھوکہ دہی کی ہر قسم کو منع قرار دیا۔ کسی عیب دار چیز کا عیب گاہک کو بتائے بغیر اسے فروخت کرنے سے روکتے ہوئے فرمایا:

"جو شخص کوئی عیب دار چیز اپنے گاہک کو مطلع کرنے کے بغیر فروخت کر دے تو اس پر اللہ تعالیٰ ناراض رہتا ہے اور فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔"

اسلام جس قسم کا سماج پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس کی اہم خصوصیّت یہ ہے تو ایک طرف تو لوگوں کو مکارمِ اخلاق کی تکمیل پر ابھارتا ہے۔ ان مکارمِ اخلاق کی بنیاد اگر ایک طرف وہ اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کی جوابدہی کے احساس پر قائم کرتا ہے تو دوسری طرف لوگوں کو اپنے حقوق سے زیادہ،

---

[17] بیع کرنے والوں کا نام سب سے پہلے آپ نے "تاجر رکھا"۔ پہلے انہیں "سماسرا" کہا جاتا تھا اور اس نئے نام کو لوگوں نے بہت پسند کیا۔

دوسروں کے حقوق کا لحاظ رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔ ساتھ ساتھ اس کے دل سے خود غرضی اور مادی فائدوں کی نسبت نکالنے کے لئے اُخروی سزاؤں سے بھی ڈراتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کاروباری معاملات میں کوتاہی کرنے والوں کو جسمانی سزائیں دینے، جرمانہ کرنے یا قید و بند کی دھمکیاں دینے کی بجائے اپنے پیروؤں کو ہر وقت حشر اور اس کی باز پرس کی یاد دہانی میں مصروف رہتے۔ آپ نے ہمیشہ اللہ کی ناراضگی اور اخروی سزاؤں کا خوف تاجروں کے ذہنوں میں پیدا کیا۔ چنانچہ بلیک مارکیٹنگ جس میں خود غرض بندۂ زر اپنی ہوسِ زر کی تسکین بہم پہنچانے کے لئے ارزاں نرخوں پر بنیادی ضروریاتِ زندگی خرید کرتے ہیں پھر ان کو ایک دم کھلے بازار سے غائب کر دیتے ہیں۔ بعد میں چور بازاری میں ان کو مہنگے داموں فروخت کر کے اپنی تجوریاں بھر لیتے ہیں اس چور بازاری کے متعلق آپ نے فرمایا:

"جو شخص چالیس دن کے لئے غلّہ روک لے، چاہے بعد میں اسے خیرات بھی کر دے تب بھی اس کے گناہ کا کفارہ ادا نہیں ہو سکتا" اور "جو شخص مسلمانوں کا غلہ روک لے تو اسے اللہ تعالیٰ جذام (بدنی ابتلاء) اور افلاس (مالی نقصان) میں مبتلا کر دے گا۔

سٹہ بازی کی قبیح لعنت بھی کم و بیش ہر تاجر میں پائی جاتی ہے، آپ ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا "جو شخص کسی سے کوئی چیز ادھار خریدے، پھر اس پر پوری طرح قبضہ کیے بغیر اسے آگے فروخت نہ کرے، ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور نے جس بات سے منع فرمایا وہ یہ ہے کہ غلہ پر قبضہ ہونے سے پہلے ہی اسے فروخت کیا جائے۔ اور میرے خیال میں ہر چیز کا معاملہ یکساں ہے۔ (متفق علیہ)

کاروباری امانت و دیانت سے اگر شخص اخلاق بہت بلند ہو جاتا ہے تو دوسری طرف یہ چیز سماج کی تعمیر ترقی اور بقا کے لئے بھی بہت ضروری ہے، یہ صاف ستھری تجارت جس میں انسان ہر قسم کے مادی نفع و نقصان سے بالاتر ہو کر امانتداری کے اصولوں کو اپناتا ہے۔ یہ اس کے لئے دنیا میں ہر اعتبار سے مفید رہتی ہے۔ اسی سے باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ بائع اور خریدار چاہے فرد کی سطح پر ہوں یا گروہوں یا قوموں کی سطح پر، ایک دوسرے پر بھروسہ کرتے ہیں اور بالآخر یہ بھروسہ اور اعتماد کی فضا ہی تاجروں کی ساکھ اور شہرت کو قائم کر کے ان کے لئے خوشحالی اور ترقی کے دروازے کھولتی ہے۔ اخروی لحاظ سے بھی دیانتدار تاجر ہی کامیاب ترین ثابت ہوگا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"امانت دار اور راستباز تاجر قیامت کے روز صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔"

اس کے برعکس تجارتی معاملات میں بد دیانتی اور کاروبار میں لوگوں سے دھوکا فریب اگر ایک طرف خود انسان کو مادہ پرست اور پست اخلاق بناتا ہے تو دوسری طرف اس کی زد قوم کے ہر فرد بشر پر پڑتی ہے۔ جب یہ ذہنیت پروان چڑھنے لگتی ہے کہ تاجر اپنا حق پورا وصول کرنے اور دوسروں کا حق مار لینے کو ہی اپنا فائدہ سمجھتا ہے تو اس سے بے شمار اخلاقی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، اور زندگی کا پورا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ آپس کا بھروسہ و اعتماد جاتا رہتا ہے۔ تعلقات خراب ہوتے ہیں۔ ہر شخص دوسرے سے بڑھ کر بے ایمانی اور بد معاملگی کرنے پر تُل جاتا ہے۔ اور پھر یہ برائی ہر قدم پر دوگنی او چوگنی ہوتی ہے، بالآخر پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک ملاوٹ ہی کو لیجیے۔ جس سے ایک مفید اور خاص چیز عمداً اپنی ذاتی مفاد کی خاطر مضر اور مسموم بنا کر تاجر عوام کی صحت پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور عوام کو صنعت کاروں اور کارخانہ داروں کے خلاف اکساتے ہیں۔ جس سے امیر و غریب کی طبقاتی جنگ پیدا ہوتی ہے۔

اسی لئے آپ نے بطور اہم اصول و قانون کے مسلمانوں کو وزن و تول وغیرہ کا پورا پورا خیال رکھنے کا حکم دیا۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذَالِكَ خَيْرٌ وَاَحْسَنُ تَاوِيْلًا (بنی اسرائیل ۳۵)

(پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو۔ اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو، یہ اچھا طریقہ ہے اور بلحاظ انجام بھی بہر ہے)

اس کے برعکس ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں کو سخت عذاب کی وعید سنائی۔ تجربہ شاہد ہے کہ انفرادی و اجتماعی ہر لحاظ سے تقویٰ پیدا کرنا اور اُخروی عذاب سے بچنے کی تلقین و ترغیب دلوں کے اندر پیدا کرنا سخت جسمانی سزاؤں اور مالی جرمانوں سے کہیں مؤثر ثابت ہوتا ہے۔

وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ. اَلَا يَظُنُّ اُولٰئِكَ اَنَّهُمْ مَبْعُوْثُوْنَ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ. (تطفیف. آیت 1-6)

(ہلاکت ہے (ناپ تول میں) کمی بیشی کرنے والوں کے لئے کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں۔ اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں۔ کیا انہیں اس بات کا یقین نہیں کہ وہ دوبارہ اُٹھائے جائیں گے ایک بڑے سخت دن جس دن کہ لوگ اپنے رب کے روبرو کھڑے ہوں گے۔)

چنانچہ آپ کبھی کبھی بازار نکل جاتے، اور اوزان اور پیمانوں کی دیکھ بھال کرتے (بعد میں اسی بناء پر یہ چیز اسلامی حکومت کے فرائض میں داخل ہو گئی کہ وہ ہر قسم کی بددیانتی اور بے ایمانی کو روکے) آپ خرید و فروخت میں زیادہ قسمیں کھانے کو بڑا ناگوار سمجھتے اور نصیحت فرماتے: اِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحلف فی البیع فانه ینفق ثُمَّ يَمْحَقُ (مسلم عن ابی قتادۃ) (یعنی بیع میں زیادہ قسمیں کھانے سے احتیاط برتو، کیونکہ اس طرح مال تو بک جاتا ہے، مگر برکت جاتی رہتی ہے۔

مسلم کی دوسری روایت میں ابوذر سے مروی ہے کہ جھوٹی قسموں سے اپنا سامان بیچنے والے شخص کی طرف اللہ تعالیٰ روزِ قیامت قطعاً نظرِ التفات نہ فرمائے گا، نہ ان سے کلام کرے گا، نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ آپ تجارت میں ہمیشہ نرم روی، احسان کرنے اور درگزر کرنے کی تلقین فرماتے۔ آپ نے بیان فرمایا کہ پہلی امتوں میں سے ایک شخص فوت ہونے لگا۔ ملک الموت نے اس کی روح قبض کرتے وقت اس سے پوچھا۔ "تم نے کبھی کوئی نیک کام کیا ہے؟ وہ بولا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ فرشتہ بولا غور کرو، اس نے عرض کی۔ مجھے اتنا معلوم ہے کہ میں تجارت میں لوگوں سے حسنِ معاملہ سے پیش آتا۔ امیر کو مہلت دیتا اور نادار کو معاف کر دیتا۔" تو اللہ نے اسے اسی عمل کے بدلے جنت میں داخل کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ "میں اس سے زیادہ معاف کرنے کا سزاوار ہوں۔ اس لئے میرے بندے سے درگزر کرو۔"

آپ ﷺ کا ذاتی اسوہ:

سعید بن قیس کا بیان ہے کہ میں نے اور مخرمہ عبدی نے ہجر سے کچھ کپڑا خریدا اور مکہ میں فروخت کرنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ ہمارے پاس سے گزرے ہم سے کچھ پاجاموں کا سودا کیا۔ وہاں قریب ہی ایک شخص مزدوری پر کچھ تول رہا تھا۔ آپ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا زِنْ وَارْجِحْ تولو مگر دیکھو جھکتا تولنا۔ (راوی کا بیان ہے کہ اس سے پہلے ہم نے ایسا عمدہ کلام نہیں سنا تھا)

حضرت جابر بیان کرتے ہیں، میرا کچھ قرض حضور اکرم ﷺ کے ذمے واجب الادا تھا۔ آپ نے مجھے قرض بھی ادا کیا اور کچھ مال مزید بھی۔ (بطور شکریہ وامتنان) مرحمت فرمایا۔(ابو داؤد)

عبد اللہ بن ابی ربیعہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے مجھ سے چالیس درہم قرض لیے۔ جب آپ ﷺ کے پاس مال آیا تو آپ ﷺ نے مجھے قرض ادا کر دیا اور دعا فرمائی اللہ تعالیٰ تیرے اہل وعیال اور مال ومنال میں برکت دے قرض کا عوض شکریہ کے ساتھ ادائیگی ہے۔(نسائی)

ایک شخص نے رسالت مآب ﷺ سے اپنے قرض کا تقاضا کرتے ہوئے کچھ درشت کلامی کی۔ جو صحابہ کرامؓ کو بڑی ناگوار گزری۔ مگر آپ نے فرمایا اسے کچھ نہ کہو۔ صاحبِ مال کو بولنے کا حق ہے۔ اسے ایک اونٹ خرید کر دے دو۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ اس نے آپ کو جو اونٹ دیا تھا ہمیں ویسا مل نہیں رہا البتہ اس سے عمدہ مل سکتا ہے۔ فرمایا وہی خرید کر دے دو تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو ادائیگی میں اچھا ہے۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس ایک غلام حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر ہجرت کی بیعت کی۔(آپ کو اس کے غلام ہونے کا علم نہ تھا) بعد میں اس کا آقا آیا۔ اور آپ ﷺ سے اپنے غلام کا مطالبہ کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے اسے خرید لینے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ بمشکل دو حبشی غلاموں کے بدلے اسے فروخت کرنے پر آمادہ ہوا۔ آخر آپ ﷺ نے اسے دو غلاموں کے بدلے میں خرید لیا۔ اور آئندہ کے لئے جب بھی کسی سے بیعت لیتے تو اس سے پوچھ لیتے آیا آزاد ہے یا غلام۔

مدینہ میں ایک تجارتی قافلہ وارد ہوا۔ اور شہر سے باہر ٹھہرا۔ اتفاقاً حضرت اُدھر سے گزرے۔ آپ نے ایک اونٹ کا سودا کر لیا اور یہ کہہ کر اونٹ لے آئے کہ ابھی قیمت بھجوائے دیتا ہوں۔ بعد میں قافلے والوں کو تشویش ہوئی کہ بغیر کسی تعارف کے معاملہ کر بیٹھے۔ اس پر سردارِ قافلہ کی خاتون بولی۔ ''مطمئن رہو میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا۔ جو چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن تھا۔ اس جیسا شخص کبھی تمہارے ساتھ بد معاملگی نہ کرے گا اگر بالفرض وہ رقم ادا نہ کرے تو مطمئن رہو میں اپنے پاس سے رقم ادا کر دوں گی۔'' یہ واقعہ طارق بن عبد اللہ بن بیان کیا جو خود شریک قافلہ تھے۔ بعد میں حضور ﷺ نے طے شدہ اور قیمت سے زیادہ مقدار میں کھجوریں بھجوا دیں۔

حفیظ الرحمٰن احسنؔ

مطالعۂ سیرتِ نبوی ﷺ کی ضرورت واہمیت

مطالعۂ سیرت نبوی، علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی ضرورت واہمیت پر گفتگو باہر تحصیلِ حاصل معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج ہم جس طرح اس فریضہ سے غفلت برت رہے ہیں وہ محض اس وجہ سے ہے کہ اس کی حقیقی ضرورت واہمیت کا احساس ہمارے دلوں سے محو ہو گیا ہے۔ ہماری زندگیوں کی نہج کچھ ایسی بن گئی ہے کہ ہمیں اس اہم خلاء کا احساس بھی کم ہوتا ہے جو ہماری زندگیوں میں مطالعۂ سیرت کے فقدان یا کمی کی بناء پر پیدا ہو گیا ہے اور جس کی وجہ سے ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کی تشکیل و تعمیر کے لئے حقیقی روشنی اور رہنمائی کے سرچشمے سے محروم ہو گئے ہیں۔ اور یہ وہ محرومی ہے جس کا ذمہ دار خود ہمارے اپنے سوا کوئی نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے مطالعہ کی ضرورت واہمیت ایک وسیع موضوعِ گفتگو ہے۔ جس کو کسی مختصر تحریر میں سمیٹنا مشکل ہے تاہم راقم الحروف کی یہ کوشش ہو گی کہ وہ اس موضوع کے کچھ اہم پہلو آئندہ سطور میں پیش کر سکے۔

(۱)

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و کردار اور سیرت و شخصیت کے بارے میں قرآنِ مجید کی، اور در حقیقت خدائے بزرگ و برتر کی شہادت یہ ہے کہ آپ ﷺ اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں۔ سورۃ القلم آیت ۴ میں ارشاد ہوا ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (اور آپ کے اخلاق بہت اعلیٰ ہیں)

اور پھر اسی پر کیا موقوف ہے پورا قرآن حضور ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کی زندہ شہادت اور تفسیر ہے۔ مشہور روایات کے مطابق، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن یعنی قرآن آپ ﷺ کا اخلاق ہے۔ اسی بناء پر حضور ﷺ کو قرآنِ ناطق کہا گیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شخصیت کس قدر عظیم اور انسانیّت کے کس قدر ارفع واعلیٰ مرتبے پر فائز تھی۔ اس امر کو ملحوظِ خاطر رکھ کر اب اس حقیقت پر نگاہ ڈالیے کہ انسانی زندگی دراصل عمل سے عبارت ہے۔ یہ عمل انفرادی زندگی کے دائرے میں ہو تو آدمی کی سیرت و کردار اور افکار و خیالات کی عکاسی کرتا ہے اور اجتماعی زندگی میں یہ معاملات، معاشرت، تمدن، سیاست اور بین الاقوامی تعلقات کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ زندگی کے ان دو دائروں میں انسان کے اندر ایک ایسے معیار کی فطری طلب اور احتیاج رکھی گئی ہے جس کے مطابق وہ اپنے افکار و اعمال کو ڈھال کر ایک بہتر اور کامیاب زندگی کی طرف بڑھ سکے۔ چنانچہ اس کی یہ فطری احتیاج اس کے اندر انسانوں میں سے کسی ایسی ہستی کی تلاش و جستجو کو جنم دیتی ہے جو اپنی ہر ادا میں مثالی سیرت و اخلاق کا مجسمہ اور حسنِ عمل کی منہ بولتی تصویر ہو، جس کی ذات میں زندگی کی جملہ خوبیوں اور بھلائیوں کو متشکل دیکھا جا سکے۔ جس کے افکار و اعمال کی میزان کو ہاتھ میں لے کر، اور اس کے ان افکار و اعمال کے اجتماعی ظہور کے خدوخال کو مثال بنا کر شخصی، معاشرتی اور تمدنی زندگی کی تعمیر کی جا سکے۔ انسان کی اس فطری طلب و

احتیاج کی تسکین کو مدّ نظر رکھ کر جب ہم تاریخ انسانی کے اوراق پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو صرف ایک ہی شخصیت ایسی نظر آتی ہے جو انسان کی اس طلب کا صحیح ترین اور مکمل ترین جواب ہے اور جس کی ذات ہی دراصل انسانیت کا کامل ترین معیار ہے، خالص، بے لاگ اور بے مثل!

یہ شخصیت نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے، جس کا تعارف خود خالقِ کائنات نے اسے صاحبِ خلقِ عظیم کہہ کر کرایا ہے۔

کیسی انوکھی شخصیت اور بے مثال ذاتِ گرامی ہے وہ کہ قرآن مجید اس کو لوگوں کے سامنے مثالی شخصیت و کردار کی حیثیت سے پیش کرتا ہے، ایک صاحبِ ایمان جب اس سوال کا جواب چاہتا ہے کہ اس کامل و اکمل ہستی کا اخلاق و کردار کیا ہے تو جواب میں اس کے سامنے اسی قوم کو پیش کیا جاتا ہے کہ یہ عظیم کتاب ہی اُس صاحب خلقِ عظیم کا اخلاق ہے۔ گویا یہ بتایا گیا کہ اگر تمہیں قرآنِ عظیم کے معانی کا ادراک کرنا ہے تو نبی عربی ﷺ کے اوراقِ زیست کا مطالعہ کرو، اور اگر تم سیرت و اخلاقِ محمدی ﷺ کے جویا ہو تو قرآن کے صفحات و آیات کا مطالعہ کرو۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص قرآن کو صاحبِ قرآن کے بغیر سمجھنا چاہے تو یہ محض ایک خود فریبی اور فسادِ فکر و نظر ہے اور اگر کوئی شخص قرآن کے اسرار و معانی تک رسائی حاصل کیے بغیر صاحبِ قرآن کی سیرت و کردار کے محاسن کی جلوہ افرینیوں کا نظارہ کرنا چاہتا ہے تو یہ بھی محض ایک خام خیالی ہے۔ قرآن اور صاحبِ قرآن میں سے کسی ایک سے بے نیاز ہو کر ہدایتِ ربّانی کی متاعِ گراں کسی طالبِ ایمان کے ہاتھ نہیں آسکتی۔ اس لئے یہ ناگزیر امر ہے کہ طالبانِ رشد و ہدایت صاحبِ قرآن کے بلند پایہ اخلاق و عادات، بے مثل سیرت و کردار اور ارفع و اولیٰ افکار و تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کریں اور اس سے اپنے قلوب واذہان کو منور کرنے کا سامان کریں۔

(۲)

سورہ احزاب میں ارشاد ہوا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا (احزاب:۲۱)

در حقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یومِ آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، انسان کی یہ ایک فطری ضرورت ہے کہ وہ انفرادی سیرت کی تعمیر اور اجتماعی معاملات کی صورت گری کے لئے کسی معیاری اور مثالی شخصیت کے عملی نمونے کا طالب ہوتا ہے قرآن مجید نے ان لوگوں کے سامنے نبی ﷺ کی زندگی کو بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ جو خدائے واحد پر ایمان لائے ہوں آخرت میں اس کے سامنے کھڑا ہونے پر یقین رکھتے ہوں اور زندگی کی مہلتِ عمل کو اس کی یاد دلوں میں تازہ رکھتے ہوئے اور اس کی عطا کردہ ہدایت کو مشعلِ راہ بناتے ہوئے گزارنے کا عزم و ارادہ رکھتے ہوں۔ اس طرح حضور اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے اپنی دعوت کے آغاز سے لے کر آج تک اسلامی معاشرے کی مرکزی اور بنیادی شخصیت ہیں، اور ہمیشہ رہیں گے۔ حضور ﷺ کے اس مقام و مرتبہ کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اگر کسی فرد یا گروہِ افراد کی زندگیوں کو بعض خاص اصولوں کے مطابق ڈھالنا مقصود ہو اور ان کی شخصیتوں کی تعمیر کسی خاص نظامِ فکر کے مطابق کرنا مطلوب ہو تو ان افراد کے سامنے محض ان خاص اصولوں اور نظریوں اور افکار و تعلیمات کو (خواہ وہ کتنی ہی تفصیل کے ساتھ کیوں نہ ہوں) پیش کر دینا کبھی کافی نہیں ہوتا۔ اس غرض کے لئے ان کے سامنے کسی ایسے عملی نمونے کا موجود ہونا ضروری ہے۔ جس کی ذات کے اندر وہ ان اصولوں اور نظریوں کو عملاً جلوہ گر دیکھ سکیں اور ان افکار و تعلیمات کی عملی کار فرمائی کا مشاہدہ وہ اس شخصیت کے واسطے سے کر سکیں۔ جب تک ایسی ایک شخصیت سامنے نہ ہو آدمی کو بہت سے اصول محض قوّتِ متخیّلہ کی کرشمہ سازی ہی نظر آئیں گے اور ان کو عملی جامہ پہنانا ایک امر حال معلوم ہو گا۔ لیکن جب ایک شخصیت ان اصول و تعلیمات کا عملی پیکر بن کر سامنے آئے گی تو انسانی ذہن خود بخود ان کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو گا اور ان کے قابلِ عمل ہونے کے بارے میں کسی تشکیک کا شکار نہیں ہو گا۔ پس اسلامی نظامِ فکر اور ربّانی نظریۂ زندگی کے مطابق انسانی سیرت و کردار کی صورت گری کے لئے جس عملی نمونے کی ضرورت تھی وہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی ذاتِ گرامی سے پیش فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس نعمتِ ہدایت کی تکمیل حضور ﷺ پر فرمائی اس کے مطابق قلوب و اذہان کی تطہیر اور اخلاق و کردار کی تعمیر کا واحد ذریعہ خود آنحضور ﷺ کا اپنا نمونۂ عمل ہے۔ چنانچہ رضائے الٰہی کی منزل کو پانے اور قرآن کا انسانِ مطلوب بننے کے لئے ناگزیر ہے کہ ہر مومن مرد اور عورت نبی ﷺ کی سیرتِ مبارکہ سے کماحقہ آگاہی حاصل کرے اور اس کی روشنی میں اس طرح زندگی بسر کرے کہ گویا زندگی کے ہر مرحلے اور ہر معاملے میں آنحضور ﷺ خود اس کی رہنمائی فرما رہے ہیں۔

اس ضمن میں یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ اگرچہ اہلِ ایمان کے لئے حضور ﷺ کی زندگی کو اسوۂ حسنہ قرار دینے کے مفہوم میں یہ بات آپ سے آپ شامل ہے کہ اس اسوۂ حسنہ کی پیروی بھی ہونی چاہئے لیکن قرآن مجید میں اس کو وضاحت اور صراحت کے ساتھ لازم قرار دیا گیا ہے کیونکہ حضور ﷺ کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے اور آپ ﷺ کی اتباع اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ یعنی حضور ﷺ کی زندگی ایک مثالی زندگی ہونے کی وجہ سے محض قابلِ تقلید ہی نہیں ہے بلکہ واجب التقلید بھی ہے اور اہلِ ایمان کے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ حضور ﷺ کو محض ایک عظیم الشان شخصیت اور انسانیت کے لئے بہترین نمونہ تسلیم کر لیں بلکہ ان کے لئے اس بات کا ماننا اور اس پر عمل پیرا ہونا بھی اشد ضروری ہے کہ حضور ﷺ کی اتباع اور اطاعت ہی دراصل اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:۳۱)

(اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا۔)

اور

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:۸۰)

(جو شخص رسول کی اطاعت کرے گا بیشک اس نے خدا کی اطاعت کی)

چنانچہ جس ہستی کی اطاعت احکامِ الٰہی کی اطاعت کا واحد راستہ اور جس کی اتباع خدائے کریم کی خوشنودی کا واحد ذریعہ ہے اس کے پورے کارنامۂ

حیات کے گہرے علم اور اس کی تعلیمات وہدایات سے مکمل آگہی کے بغیر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان بن سکے اور رضائے الٰہی کے حصول کی منزلِ مراد کو پہنچ سکے۔

(۳)

سورہ بقرۃ میں ارشاد ہوا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک "اُمتِ وسط" بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہو۔"

اس آیت شریفہ میں اُمّتِ مسلمہ کو "امت وسط" قرار دیا گیا ہے، اور امتِ وسط کی حیثیت سے اس کا بنیادی فریضہ لوگوں پر حق کی شہادت قائم کرنا ہے۔ نیز یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا منصب اس اُمّت کے اوپر حق کی شہادت قائم کرنا ہے۔

معلوم ہوا کہ شہادتِ حق کا جو کٹھن فریضہ حضور ﷺ نے اپنی پوری حیاتِ مبارکہ میں انجام دیا، بعینہٖ وہ فریضہ حضور ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی امت پر عائد ہوتا ہے اور اس کے امتِ وسط ہونے کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنے فریضے کو ادا کرے۔ اگر وہ اپنے اس اہم اور بنیادی فریضے کو ادا نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس جرم میں پکڑی جائے گی کہ اس نے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کی، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تمام لوگ اُلٹا اس کے خلاف گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جائیں جن تک دینِ حق کا صحیح پیغام اس کی غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے نہ پہنچ سکا ہوگا، بلکہ اس صورت میں تو اس کا یہ جرم، کہیں زیادہ سنگین نوعیت اختیار کر جائے گا جب کہ دینِ حق کی صحیح شہادت ادا کرنا تو ایک طرف اس امت کے بعض افراد یا گروہوں کا غلط طرزِ عمل خدا کے سچے دین کی غلط نمائندگی کرنے اور اس طرح لوگوں کو اس سے برگشتہ کرنے اور دُور ہٹانے کا سبب بنا ہو۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر ہم نبی آخر الزمان ﷺ کے اُمّتی ہونے کی بنا پر ایک طرف ایک عظیم سعادت سے مشرف ہوئے ہیں تو دوسری طرف ایک بڑی بھاری ذمہ داری کا بوجھ بھی ہمارے کندھوں پر ڈالا گیا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اس سعادت کے سزاوار ٹھہرتے ہی اُس صورت میں ہیں جبکہ ہم اپنی ذمہ داری کو کما حقہ سمجھیں اور شہادتِ حق کے اس فریضے کو کمال احساسِ ذمہ داری کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کریں جو اُمّت مسلمہ میں شامل ہونے کی وجہ سے ہمارے اوپر عائد ہوتا ہے۔ اس فریضے سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہماری اوّلین ضرورت یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ خاص طور پر اس رُخ سے کریں کہ حضور ﷺ نے اپنے قول وفعل سے شہادتِ حق کا یہ گراں بار فریضہ کیسے ادا کیا۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی بحیثیت داعیٔ حق اور شاہدِ حق کے کن کن مراحل سے گزری ہے اور ہر مقام ومرحلہ پر حضور ﷺ نے بندگانِ خدا پر کس طرح حق کی شہادت قائم فرمائی۔ انفرادی دعوت سے لے کر اسلامی نظامِ حکومت کے قیام تک حضور ﷺ نے کن کن طریقوں سے لوگوں کو خدا کے دین کی طرف بلایا، اپنی شخصی زندگی سے اس دین کی نمائندگی کیسے فرمائی اور بالآخر کس طرح زندگی کا اجتماعی نظام اس دین کے مطابق قائم کر کے شہادتِ حق کی تکمیل فرما دی۔ ان سب چیزوں کا تفصیلی مطالعہ کیے بغیر نہ ہم شہادتِ حق کے وسیع تر تقاضوں کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ عملاً اس سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہماری یہ

ایک ناگزیر ضرورت ہے کہ سیرتِ طیّبہ اور حیاتِ مبارکہ کے جامع اور تفصیلی مطالعہ کا اہتمام کریں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کا نقشہ اس کے مطابق مرتب کرنے کی کوشش کریں کیونکہ اس کے بغیر نہ ہم دنیوی کامرانی وسربلندی سے ہمکنار ہوسکتے ہیں اور نہ اُخروی فوز وفلاح کی خوش بختی ہمارا مقدر بن سکتی ہے!

خالد بزمیؔ

محمدیؐ انقلاب

آپ ﷺ کے بابِ کرم پر ہو گیا جو باریاب	اس کے دل سے مٹ گیا ہر اضطرار و اضطراب
آپ ﷺ کے باعث ملی ہے دو جہاں کو روشنی	آپ ﷺ کے مرہون ہیں یہ ماہتاب و آفتاب
آپ ﷺ کی اِک ضربتِ باطل شکن سے مٹ گئے	نائلہ، عزےٰ، منات ولات سب مثلِ حباب
شوکتِ ایران، شانِ روم، اقبالِ یمن	آپ ﷺ کی عظمت کے آگے پارہ پارہ آب آب
دہر سے سب اختلافِ فقر و دولت مٹ گیا	آپ ﷺ کے باعث زمانے میں ہوا وہ انقلاب
آپ ﷺ کا دینِ مبیں دنیا میں پھیلا چار سو	آپ ﷺ کے باعث زمانے میں ہوا وہ انقلاب
قیصر و کسرےٰ، فریدون و سکندر مٹ گئے	سب سے بہتر باب ہے وہ سب سے برتر وہ جناب
آپ ﷺ کے دیں میں جو صدقِ دل سے شامل ہو گیا	اِس جہاں میں کامراں اور اُس جہاں میں کامیاب
اس جہاں میں سب سے بہتر زندگی کا ضابطہ	
آپ ﷺ کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب	